

عالمی مالیاتی نظام کے ذریعے پوری دنیا کو اپنے شکنے میں
جگڑ لینے کی یہودی سازشوں کی ہوش ربا داستان

فرضوں کی جنگ

(The Money Masters) نامی ویڈیو فلم سے مأخوذه
(انگریزی زبان میں شائع ہونے والی کتاب کا اردو ترجمہ)

ترجمہ: کریم (ر) ڈاکٹر محمد ایوب خان

ترتیب و تسویہ: سردار اعوان

مکتبہ خدام القرآن لاہور۔

35869501-03: کاؤنٹاؤن لاہور نون: 36

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امریکی تناظر میں ”The Money Masters“ (دولت کے مالک) کے عنوان سے اس جنگ کی ساڑھے تین گھنٹے کی ایک ویڈیو تیار ہوئی ہے۔ اسے دو امریکی دانشوروں Bill Still اور Patrick SJ Carmack نے مل کر تیار کیا ہے۔ کارمک، کار پور بیٹ لاء میں وکالت کرتے رہے ہیں اور اوکلاہاما سٹیٹ کے کار پور بیٹ کمیشن کے سابق لاء نج اور یو۔ ایس سپریم کورٹ بار کے ممبر ہو چکے ہیں۔

اس ویڈیو کا انگریزی مسودہ لیفٹینٹ کرنل (ر) ڈاکٹر محمد ایوب خان نے اردو میں ترجمہ کر کے ”سونے کے مالک“ کے نام سے شائع کیا ہے، جسے ہم نے ان کے شکریہ کے ساتھ معمولی تبدیلی اور اضافہ کے بعد نداۓ خلافت جلد 8 شمارہ 47 تا جلد 9 شمارہ 19 میں بھی شائع کیا اور اب کتابچے کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کی افادیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس مضمون کے اقتباسات پاکستان کے ایک معروف جریدہ ”اردو ڈا بجسٹ“ (اپریل، مئی ۲۰۰۰ء) میں بحوالہ نداۓ خلافت شائع کیے گئے ہیں۔ موجودہ استحصالی اور ہلاکت خیز مالیاتی نظام کو جاننے کے لیے اس کتابچہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

نظم نشر و اشاعت
جو لائی ۲۰۰۰ء

پیش لفظ

قرضوں کی یہ جنگ جس کی نقاپ کشائی زیر نظر کتاب میں کی گئی ہے، اگرچہ یورپ اور امریکہ میں شروع ہوئی تھی مگر اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ عالمی مالیاتی اداروں کا طریق واردات یہ ہے کہ کسی پسمندہ یا ترقی پذیر ملک کو قرضوں کی پیشش کرتے وقت اسے یہ فریب دیا جاتا ہے کہ قرض دینے والا ادارہ اس ملک کا دشمن نہیں، بلکہ دوست ہے اور اسے ایک خوش حال اور مضبوط ملک دیکھنا چاہتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ جب وہ ملک قرضوں کے جاں میں پوری طرح پھنس جاتا ہے تو اس کے تمام وسائل اپنے قبضہ میں کر لیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ملک اس جاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو اس ملک کے سر براد کو قتل کروادیا جاتا ہے، اس ملک میں خانہ جنگی کراچی جاتی ہے یا اسے دوسرے کسی ملک کے ساتھ جنگ میں الجھادیا جاتا ہے، وغیرہ۔ بظاہر یہ بات ناقابل یقین ہی نظر آتی ہے، مگر اس کی غالباً بڑی وجہ یہ ہے کہ پیسے کی جو طاقت ہے اس کا ہمیں احساس نہیں ہے۔ اور ہماری نگاہ چونکہ ظاہری واقعات تک محدود ہوتی ہے اس لیے ہم اصل حقائق کے بارے میں لا علم رہتے ہیں۔ گویا یہ باقاعدہ ایک جنگ ہے جو عالمی مالیاتی استعمار کے قیام کے لیے لڑی جا رہی ہے اور اب فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ چنانچہ افریقہ اور ایشیا کے بیشتر ممالک اس جنگ میں زندگی کی بازی ہارتے نظر آتے ہیں۔

مسئلہ کیا ہے؟

امریکہ میں ایک وقت ایسا تھا کہ جب کسی سے پوچھا جاتا تھا کہ وہ کس کے لیے کام کرتا ہے تو وہ اسے بے عزتی سمجھتا تھا، کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنا ذاتی کام کرنے کا اہل نہیں، جبکہ اب حالت یہ ہے کہ دوسروں پر انحصار اور ان کی مرضی کے مطابق معمولی اجرت پر کام کرنا عام سی بات ہے۔ چونکہ آزادی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آدمی کے پاس خواراں، کتابیں اور کپڑے وغیرہ ہوں اور ان کے لیے درکار روپیہ پیسہ بھی ہو، اس لیے ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اب ایک عام امریکین کا دار و مدار دوسروں پر ہے اور اس کی آزادی محدود ہو گئی۔

اس صدی کے آغاز سے افراد اور ریاستیں مسلسل قرضوں کی زد میں ہیں۔ نتیجتاً ان کی اپنے معاملات خود طے کرنے کی آزادی ختم ہو گئی ہے۔ آزادی کے حصول اور اسے باقی رکھنے کے لیے دولت کی اوسم مقدار کا عام پھیلاوا ضروری ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کیوں سر سے پاؤں تک قرضوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور کیوں ہمارے سیاستدان قرضوں کو تابو میں نہیں لاتے؟ کیوں سب لوگ ماں باپ دونوں، معمولی تنخواہ پر کام کرنے پر مجبور ہیں؟ حکومت کیوں کہتی ہے کہ افراط زکم ہے، جبکہ لوگوں کی قوت خرید خطرناک حد تک کم ہو رہی ہے؟ 25 سال پہلے ڈبل روٹی کی قیمت 1/4 ڈالر تھی اور کار دو ہزار ڈالر میں مل جاتی تھی۔

کیا ہم کسی بہت بڑے اقتصادی دھماکے کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ جس کے سامنے 1929ء کا دھماکہ اور کساد بازاری سکول کی پکنک معلوم ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو کیا ہم اسے روک سکتے ہیں یا کیا ہم افراط از رکی پیدا کر دہ اس غربی کو پہنچ کر رہیں گے جس سے بچتوں، تنخوا ہوں اور مزدور یوں کا خاتمہ ہو جائے گا؟ مگر پھر ہم اپنے خاندان کو کیسے بچا سکیں گے؟

ایک بینک پر یہ یونٹ لیری بیٹس (Larry Bates) لکھتا ہے:

”ایک بے مثال دھماکہ آنے والا ہے۔ اکثر لوگ اپنا روپیہ ہار بٹھیں گے، مگر اس سے بھی اہم بات یہ ہو گی کہ چند لوگ بہت بڑی دولت کے مالک بن جائیں گے۔ اقتصادی انقلاب میں دولت ختم نہیں ہوتی، منتقل ہو جاتی ہے۔“

بنکر چارلس کلنر (Charles Colens) کہتا ہے:

”فیڈرل ریزرو (Reserve) قرضوں کو بڑھا رہا ہے، وہ قرضوں کا سود ادا کرنے کے لیے بھی قرضہ دیتا ہے۔ اس لیے ہم قرضوں سے کبھی باہر نہیں نکل سکتے۔“

ماہر معاشریات ہنری پاسکٹ (Henry Pasquet) کہتا ہے:

”قرضوں میں آپ روزانہ دس ارب ڈالر کا اضافہ کر رہے ہیں۔ 1980ء میں قرضہ ایک ٹریلیون ڈالر سے کم تھا۔ 15 سال میں وہ پانچ گنا ہو گیا ہے۔ ایسا کب تک ہو گا؟“

در اصل ہمارا نظام زر انتہائی خراب ہے۔ سنٹرل بینک (فیڈرل ریزرو) حکومت سے آزادا دار ہے۔ وہ بینکوں سے مل کر روپیہ پیدا کرتا ہے، ساتھ ہی سود پر قرضہ لینے والے لوگ بھی۔ اس لیے ایک شدید ترین کساد بازاری یقینی ہے خواہ وہ اچاک ہو یا بذریع۔ فیڈرل ریزرو اپنے شاک ہولڈروں کو امیر بنانے کے لیے ایسا کر رہا ہے، جیسے اس نے 1930ء کی کساد بازاری سے قبل کیا تھا۔

”فیڈرل ریزرو“ نتو فیڈرل ہے اور نہ اس کے پاس کوئی ریزرو ہے جس سے اس کے جاری کردہ نوٹوں کی پشت پناہی ہو۔ فیڈرل ریزرو ایکٹ 22 ستمبر 1913ء کو ایک کمیٹی نے صبح 1:30 سے 4:30 بجے کے دوران منظور کیا، جس کے اکثر ممبر سوئے ہوئے تھے۔ کہا گیا کہ 20/40 اعتراض جو یہیٹ میں ہوئے تھے، ان کو معمولی بحث کے بعد رفع کر دیا گیا تھا۔ اسی شام 6 بجے جب اکثر ممبر کریم کی چھٹی پر چلے گئے، یہ مل کا نگر لیں اور یہیٹ نے پاس کر دیا اور صدر روس نے دھنخڑ کر دیے۔ اس ایکٹ نے زر کا کنشروں کا نگر لیں سے لے کر پرانیویٹ بینک کے حوالے کر دیا۔

لیری بیٹس (Larry Bates) لکھتا ہے:

”فیڈ (Fed) حکومت سے زیادہ طاقتور ہے۔ وہ صدر، کانگریس اور عدالتوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس لیے کہ فیڈ جو عام آدمی کی کار اور مکان کی ادائیگی کا حساب کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ آدمی کوئی کام بھی کر رہا ہے یا نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مکمل کنٹرول ہے۔ فیڈ امریکی حکومت کا سب سے بڑا اور اکیلا قرض خواہ ہے اور وہ ضرب المثل ہے کہ متروض قرض خواہ کا خادم ہوتا ہے۔“
سبھنچے کی بات یہ ہے کہ جس دن سے یہ آئین پاس ہوا ہے آج تک پرائیویٹ بینک جنہیں صدر میڈیسین (Madison) نے منی چینٹر ز کا نام دیا، امریکن روپے پر کنٹرول حاصل کرنے کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ روپے پر کنٹرول کی اہمیت کیا ہے؟ ایک ایسی جنس (commodity) جس کی ہر ایک کو ضرورت ہو اور جو کسی کے پاس کافی نہ ہو تو اس کو کنٹرول کرنے والا اس سے کئی طرح کے فائدے اٹھا سکتا ہے اور سیاسی رسوخ پیدا کر سکتا ہے۔ بس اسی بات کے لیے لڑائی ہے۔ امریکن تاریخ میں یہ اختیار حکومت اور پرائیویٹ بینکوں کے درمیان بدلتا رہتا ہے۔ لوگوں نے چار پرائیویٹ بینکوں کو شکست دی لیکن پانچویں سے ہار گئے، کیونکہ اس وقت سول وار ہوئی تھی۔

بانیان قوم کو پرائیویٹ بینکوں کی برائی کا علم تھا، کیونکہ انہوں نے بینک آف انگلینڈ (جو پرائیویٹ کنٹرول میں تھا) کے قرضوں کو بڑھتے دیکھا تھا، جن قرضوں کی وجہ سے پارلیمنٹ نے امریکی کالونیوں پر ناجائز لیکس لگا دیے تھے۔ بن فرانکلن (Ben Franklin) کا کہنا تھا کہ امریکن انقلاب کی اصلی وجہ یہی ناجائز لیکس تھے۔ ان کے خیال میں بینکوں کے ہاتھ میں روپے اور طاقت کا آجانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

جیفرسن (Jefferson) نے کہا:

”بینک آزادی کے لیے فوجوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی ایک زرگرا شرافیہ پیدا کر دی ہے جس کو حکومت کے مقابلے میں کھڑا کر دیا ہے۔“

چنانچہ مصنف انthonی سٹن (Anthony C. Sutton) لکھتا ہے:

”ایسی تیز رفتاری نہ پہلے بھی دیکھنے میں آئی، نہ بعد میں۔ البتہ باقاعدہ حکومتوں میں مہریں اسی تیزی سے لگائی جاتی ہیں۔“

صحیح 30:4 بجے پہلے سے تیار ایک رپورٹ پر پیس کے حوالے کر دی گئی۔ کناس سے ری پبلک لیڈر سینٹر بریسٹو (Bristow) نے کہا کہ ان کی پارٹی کو نہ تو اس میٹنگ کی اطلاع دی گئی، نہ وہ اس میں شامل ہوئے، نہ انہوں نے اسے پڑھا اور نہ دستخط کیے۔ فیڈرل کے حصے داروں میں دو بینکوں کے اکثریتی ووٹ ہیں، منہاشن بینک اور سٹی بینک۔ لہذا کنٹرول ان کے پاس ہے۔

سوال یہ ہے کہ کانگریس طاقت کے اس خطرناک ارتکاز کو روکتی کیوں نہیں؟ دراصل اکثر ممبران ان معاملات کو سمجھتے نہیں اور چند جو سمجھتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ اگر وہ بولیں گے تو اگلے انتخابات میں ان کے مخالف کو روپیہ مل جائے گا۔ اس کے باوجود چند آدمیوں نے ضرور آواز اٹھائی ہے، مثلاً 1923ء میں ایک ری پبلکن راہنماء۔ لندبرگ (A. Lindberg) نے کہا:

”فیڈرل ریزرو بورڈ کو فتح اندوزوں کا ایک گروہ کنٹرول کرتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دوسروں کے روپے سے فتح کرائے۔“

1932ء میں جب کساد بازاری چھائی تھی، ایک بینکر لوئیس (Louis T. McFadden) نے کہا:

”اس ملک میں ایک انتہائی بد عنوان ادارہ یعنی فیڈرل ریزرو بورڈ قائم ہے، جس نے امریکی عوام کو کنگال اور گورنمنٹ کو دیواليہ کر دیا ہے۔ یہ سب پیسے والی گدھوں نے کیا ہے جو اسے کنٹرول کرتی ہیں۔“

سینٹریلری (Barry Goldwater) نے کہا:

”عام شہری اٹریشنل بینکرز کے کام کو نہیں سمجھ سکتے۔ فیڈرل ریزرو سسٹم کے حسابات کا بھی آڈٹ نہیں ہوا، وہ حکومت کے کنٹرول سے باہر ہے، اس کے باوجود حکومت کے سارے پیسے کا جوڑ توڑ کرتا ہے۔“

میں اخبارات کے 12 چوٹی کے اشخاص جمع کیے اور انہیں بڑے بڑے اخبارات کی پالیسی کنٹرول کرنے پر مقرر کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ صرف 25 بڑے اخباروں کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان کی پالیسی ماہانہ ادا یگی پر خریدی گئی اور کنٹرول کے لیے ہر اخبار پر ایک ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔

امریکہ کے صرف پچاس شہروں میں ایک سے زیادہ روزنامے نکلتے ہیں۔ 25 فیصد آزاد ہیں، باقی سب شاک ہولڈرز (پینکوں کے حصہداروں) کے قبضے میں ہیں۔

بہر حال امریکہ کی تاریخ میں روپے پر کنٹرول کی جنگ ہمیشہ جاری رہی۔ 1694ء سے لے کر اب تک آٹھ جنگیں ہوئی ہیں، کبھی حکومت کی جیت ہوئی اور کبھی پینکوں کی، لیکن تین نسلوں سے اب اس پر کسی کی توجہ ہی نہیں رہی۔ ہمارے لیڈروں اور سیاستدانوں کو جاننا چاہیے (اگر وہ خود بھی اس کا حصہ نہیں ہیں) کہ کیا ہورہا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟ حکومت کو خود قرضہ کے بغیر روپیہ جاری کرنے کا اختیار حاصل کرنا چاہیے۔ قرضے سے پاک روپیہ جاری کرنے کی پالیسی کوئی نئی بات نہیں ہے، زیادہ تر سیاستدانوں اور ماہرین معاشریات نے یہی حل تجویز کیا ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ 1913ء میں کانگریس نے ایک پرائیویٹ سنٹرل بینک کو (جس کا نام دھوکا دہی کے لیے فیڈرل ریزرو سسٹم رکھا گیا) روپے کی مقدار متعین کرنے کا اختیار دیا، مگر وہ روپے کی مقدار کے برابر قرضہ بھی جاری کر دیتا ہے۔

منی چیخیرز

میڈیا میں کہتا ہے کہ باائلی بتاتی ہے کہ دو ہزار سال پہلے یوسع مسح نے دوبار معبد سے زبردست منی چیخیرز کو نکالا۔ ان دو موقع کے سوا یوں نے کبھی طاقت استعمال نہیں کی۔ یہ لوگ وہاں کیا کرتے تھے؟ جب ایک یہودی یروشلم میں معبد کا ٹیکس دیتے آتا تو وہ ایک خاص سکہ، شیکل (Shekel) کے نصف کے ذریعے ہی ٹیکس دے سکتا تھا، جو 1/2 اونس خالص چاندی کے برابر تھا۔ صرف یہ سکہ خالص چاندی اور پورے وزن کا تھا اور اس پر کافر پادشاہ کی تصویر بھی نہیں تھی۔ اس لیے خدا کو صرف یہی قبول تھا۔ یہ سکے

روپیہ جاری کرنے کی طاقت حکومت کے پاس ہونی چاہیے۔“

آئین کا بڑا مصنف میڈیا میں کہتا ہے:

”تاریخ کا فیصلہ ہے کہ منی چیخیرز ہر قسم کی برائی، سازش، دھوکا اور متعدد طریقہ استعمال کرتے ہیں، تا کہ روپے اور اس کے اجراء پر کنٹرول رکھ کر حکومتوں کو کنٹرول کر سکیں۔“

اس کنٹرول کے لیے جنگیں ہوئیں، کساد بازاری ہوئی لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد پرلیس اور تاریخ کی کتابوں میں اس مقابلے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

میڈیا کنٹرول

پہلی جنگ عظیم تک منی چیخیرز نے پرلیس کے اکثر حصے پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ 1914ء کی جنگ سے پہلے ایک نامور ایڈیٹر جان سوینٹن (John Swinton) نے صحافیوں کے سالانہ ڈنر کے موقع پر کہا:

”امریکہ میں انڈی پینڈی یونٹ پرلیس نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہم میں سے کوئی اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو وہ شائع نہیں ہوگی۔ مجھے ہر ہفتے 150 ڈالر اسی لیے ملتے ہیں کہ میں اپنے اخبار میں اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار نہ کروں۔ آپ سب کا یہی حال ہے۔ اگر میں اپنے پرچے میں اس کی اجازت دے دوں تو 24 گھنٹوں سے پہلے میری جاپ ختم ہو جائے گی۔ ایسا بے وقوف آدمی بہت جلد سڑکوں پر نیا کام تلاش کرتا ہوا نظر آئے گا۔ نیویارک کے جرنلسٹ کا فرض ہے کہ جھوٹ بولے، خبروں کو مسخ کرے، بذبانبی کرے، قارنوں کی چاپلوسی کرے اور اپنی قوم اور ملک کو روٹی کی خاطر بیچ دے اور غلام بن کر رہے۔ ہم پہلی پرده رہنے والے امراء کے غلام ہیں، ہم لکھ پتیاں ہیں، وہ تاریخ پیچتے ہیں اور ہم ناپتے ہیں۔ ہمارا وقت، ہمارا ہنر، ہماری زندگی اور ہماری اہلیت ان لوگوں کی پر اپرٹی ہے، ہم ذہنی طوائفیں ہیں۔“

یہ حالت 1914ء سے پہلے کی تھی اور اب سارا میڈیا (ریڈیو، ٹی وی) ان کا ہے۔ ایک بڑے صنعت کا رجہ، پی مارگن (P.J.Morgan) نے مارچ 1915ء

شروع کر دیا۔ پھر سناروں نے دیکھا کہ بہت کم لوگ اپنا سونا واپس لینے آتے ہیں تو انہوں نے کچھ سونا دوسروں کو سود پر دینا شروع کر دیا۔

پھر انہوں نے معلوم کیا کہ وہ سونے کی مالیت سے زیادہ کی کاغذی رسیدیں چھاپ سکتے ہیں، اور ان رسیدوں سے ہی انہوں نے سودی نفع کمانا شروع کر دیا۔ یہ جزوی مالیت کی بیننگ (Fractional Reserves Banking) کی بنیاد ہے، یعنی مالیت سے زیادہ روپیہ جاری کر دیا جائے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اصل مالیت سے دس گنا زیادہ رسیدیں جاری کرنی شروع کر دیں اور دس گنا سود وصول کرنے لگے۔ کسی کو اس دھوکے کا علم نہ ہوا۔ اس طرح ان کے پاس زیادہ سے زیادہ روپیہ اور سونا جمع ہونا شروع ہو گیا۔

یہ سارہ دھوکا تھا مگر آگے چل کر یہی دھوکا جدید ڈیپاٹ بیننگ کی بنیاد بن گیا۔ روپیہ پیدا کرنا صرف حکومتوں کا حق ہے۔ پرانیوں بینکوں کو اس کی اجازت دینا لوگوں سے دھوکا اور ظلم ہے۔

بینک اپنے روپے سے کہیں زیادہ قرض دیتے ہیں۔ اگر سب لوگ ایک وقت میں ان سے روپیہ لینے آجائیں تو وہ 3 فیصد رقم بھی نہیں دے سکتے۔ اس لیے وہ مستقل خوف کی حالت میں رہتے ہیں۔ بینکوں، ٹلاک مارکیٹوں اور قومی معاشیات کی ڈانوا ڈول حالت اسی وجہ سے رہتی ہے۔

امریکہ میں بینکوں کو اپنے روپے سے دس گنا زیادہ قرض دینے کی اجازت ہے، اس طرح ان کا 8 فیصد سود 80 فیصد ہو جاتا ہے۔ ہر بینک عملی طور پر ایک نکسال ہے جس پر کچھ خرچ نہیں آتا۔ اب جب سونا نہیں ہے تو بینک کاغذ اور سیاہی کی قیمت پر قرضہ دے کر سود کمار ہے ہیں۔

امریکی بینکوں کے ریزرو (reserve) اور کرنی کل قریباً 600 بلین ڈالر بنے ہیں، مگر ان کے بد لے میں 20 ٹریلین قرض جاری کیا گیا ہے، گویا ہر امریکی بچہ اور بوڑھا 80,000 ڈالر کا مقرضہ ہے۔

زیادہ عام نہ تھے، منی چیخرز وہ سکے جمع کر لیتے اور پھر ان کی قیمت بڑھادیتے۔ اس طرح منی چیخرز مفت میں نفع کرتے۔ وہ سکہ صرف ان کے پاس تھا، خریدار مجبور تھے۔

روم انیپارٹ

یسوع مسیح سے دو سو سال قبل روم میں بھی منی چیخرز یہی کاروبار کرتے تھے۔ شروع کے دور میں بادشاہوں نے سودی قوانین کی اصلاح اور ملکیت زمین کو 500 اکیڑتک محدود کر کے ان کی طاقت کم کرنے کی کوشش کی تو دونوں بادشاہ قتل ہوئے۔ سن 48 قبل مسیح، جولیس سیزر نے روپیہ بنانے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روپیہ عام ہونے سے فارغ البابی ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ سیزر کو اسی بات نے قتل کروایا، اس کے مرنے پر روپیہ غائب ہو گیا اور نیکیں اور بد عنوانی بڑھ گئی، لوگوں کی زمینیں اور گھر نیلام ہو گئے، مفلس لوگوں نے حکومت کی حمایت سے ہاتھ اٹھایا اور عوام پر تاریکی چھا گئی۔ امریکہ میں ایسا ہو چکا ہے اور پھر ہو گا۔

زمانہ وسطیٰ کے انگلینڈ کے سنار

کاغذی روپیہ سب سے پہلے 618 تا 907ء تک چینیوں نے بنایا۔ جب اس میں دھوکا ہونے لگا تو 1024ء میں بادشاہ نے کاغذی نوٹ بنانے کا اختیار خود لے لیا۔ اس زمانے میں انگلینڈ میں منی چیخرز خوب متحرک تھے، اس قدر کہ انگلینڈ کی اکانومی کو متاثر کرتے تھے۔ یہ بینکر زنہیں تھے، سنار تھے، مگر بینکر زبھی تھے، کیونکہ لوگوں کا سونا اپنے سیف میں رکھ لیتے تھے اور ان کی رسید پیپر منی کا کام کرتی تھی۔ وہ رسید چیخڑوں پر کھجاتی تھی اور پھر را گنی یوں بنی:

”چیخڑے کاغذ بناتے ہیں، کاغذ روپیہ بناتے ہیں، روپیہ بینک بناتے ہیں، بینک قرضہ بناتے ہیں، قرضہ بھکاری بناتے ہیں، بھکاری چیخڑے بناتے ہیں۔“

یہ رسیدیں اس لیے استعمال ہونے لگیں، کیونکہ سونا چاندی اٹھانا دشوار اور خطرناک تھا۔ لہذا سنار کے پاس بار بار جانے کی بجائے لوگوں نے انہیں آپس میں بدلنا

سکتے ہیں۔ جب روپیہ زیادہ ہو تو بہت سے لوگ قرض لے لیتے ہیں اور سود حاصل ہوتا ہے۔ روپیہ کم ہو تو قرضہ ملنا مشکل ہوتا ہے۔ کچھ لوگ قرض ادا نہیں کر سکتے اور کچھ قرض نہیں لے سکتے۔ اس لیے وہ کنگال ہو جاتے ہیں اور اپنی جائیداد اور بزنس سناروں کے حوالے کر دیتے ہیں یا کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کر دیتے ہیں۔ آج کل اس بات کو بزنس سائیکل (تجارتی اتار چڑھاؤ) کہا جاتا ہے۔

نشان زدہ چھڑیاں (Tally Sticks)

1100ء میں شاہ انگستان ہنزی اڈل نے سناروں سے مالی طاقت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے چھڑیوں کا طریقہ ایجاد کیا۔ ایک چھڑی پر نشان لگانے جاتے جاتے، پھر اسے لمبائی میں چیر دیا جاتا۔ آدمی پلک میں پیسے کے طور پر گردش میں رہتی اور آدمی بادشاہ کے پاس رہتی تاکہ دھوکا نہ ہو۔ (یہ طریقہ 1826ء تک کامیابی سے چلتا رہا۔) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں نے پیسے کے طور پر لکڑی کی چھڑیاں کیسے قبول کر لیں، حالانکہ ہمیشہ کوئی قیمتی شے ہی پیسے کی جگہ لیتی رہی ہے؟ بات یہ ہے کہ لوگ جس شے کو پیسہ مان لیں وہی پیسہ بن جاتی ہے، آج کا غذ کا نوٹ کیا ہے، کاغذ نہیں؟ 1500ء میں ہنزی، ششم نے سودی قوانین کو نرم کر دیا اور سناروں نے فوراً افر مقدار میں سونا چاندی مار کیٹ میں ڈال دیا، لیکن جب ملکہ میری تخت پر پہنچی تو اس نے دوبارہ سودی قوانین کو سخت کر دیا اور سناروں نے سونا چاندی روک لیا اور اکا نومی کوزوال سے دوچار کر دیا۔

پھر اگر بھا اڈل ملکہ بنی تو اس نے خزانے سے سونے چاندی کے سکوں کے اجراء کی تجویز پر عمل کرنا چاہا۔ اگرچہ 1642ء کے انقلاب انگستان کی وجہات مذہبی بھی ہیں، مگر اس تجویز نے اصل کردار ادا کیا۔ کرامویل نے 1649ء میں سناروں سے روپیہ لے کر بادشاہ چارلس کو پھانسی پر چڑھا دیا اور پارلیمنٹ سے بہت سوں کو نکال دیا اور سناروں کو کاروبار پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی، جنہوں نے اگلے پچاس سال کے لیے انگستان کو جنگوں میں دھکیل دیا۔ انہوں نے لندن کے سٹریٹ میں ایک مرعن میں ٹکڑے کو اپنا "شہر" (City) بنایا۔ یہ نیم آزاد علاقہ وال شریٹ (امریکہ)

فیڈرل ریزرو صرف تین فیصد پیدا کرتا ہے۔ باقی 27 فیصد بینک پیدا کرتے ہیں، جبکہ یہ سب حکومت کو خود کرنے چاہیں، اس طرح ٹکیں بھی کم ہو سکتے ہیں۔

اخلاقی پہلو

زمانہ وسطی میں کیتوک چرچ نے سود لینا منوع قرار دے رکھا تھا۔ چرچ کی تعلیم یہ تھی کہ روپیہ معاشرے کی خدمت کے لیے ہے تاکہ اشیاء کے تباولہ میں آسانی ہو۔ البتہ پیداواری مقاصد کے لیے قرض پر نفع کا ایک حصہ لینا جائز تھا، لیکن بعد میں جب تجارت کو ترقی ہوئی اور سرمایہ کی ضرورت پیش آئی تو نفع و نقصان کی بیاناد پر سرمایہ کاری کو مزید فروغ حاصل ہوا۔

تمام مذاہب دھوکا دہی، غربیوں پر جراہ اور نا انصافی کی مذمت کرتے ہیں۔ چونکہ جزوی محفوظ سرمایہ پر قرض دہی (Fractional Reserve Lending) کی بنیاد ہی دھوکا ہے، اس لیے اس سے مفلسی پیدا ہوتی ہے اور غریب پر جراہ اور روپے کی قدر کم ہوتی ہے۔

بدقتی سے بعض مذاہب کے چند ایک مکاتب ایسے بھی ہیں جو اپنے لوگوں سے دھوکہ اور نا انصافی کی مذمت کرتے ہیں، لیکن دوسروں سے دھوکا، جراہ اور نا انصافی جائز سمجھتے ہیں۔ وہ دوسروں کو مکمل بلکہ نیم انسان سمجھتے ہیں۔ اس کا سبب ایک برتر نسل کا نظریہ ہے جو مادہ پرستی کی ایک بھوٹی شکل ہے (اشارہ یہود کی طرف ہے اور وہی بڑے بینکوں کے مالک ہیں۔ مترجم)

لوگ بھول جاتے ہیں کہ نوع انسانی ایک عظیم واحد انسانی نسل ہے جس کا آغاز مشترک ہے، انجام بھی مشترک ہے اور فطرت بھی ایک ہے۔ یہاں کوئی برتر نسل نہیں ہے اور اگر کوئی برتر نسل ہے تو اسے نیکی میں برتر سے ناپا جائے گا کہ مکاری اور دھوکے سے۔ لوگوں میں اختلافات کا کام تو یہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے کے علم وہنر سے فائدہ حاصل کیا جائے۔

ہاں تو سناروں نے معلوم کیا کہ روپے کی مقدار میں کمی بیشی کر کے وہ زیادہ نفع کما

فوج کو مافیا کے ہاتھوں میں دے دیا جائے۔ ہمیں ایسی مرکزی اخباری کی ضرورت ہے جس پر حکومت کا اختیار ہو۔ سر ولیم پٹ (Sir. William Pitt) نے 1770ء میں کہا:

”ختن کے پچھے بادشاہ سے بھی بڑی کوئی طاقت ہے۔“

1844ء میں بخمن اسرائیلی نے اس کے بارے میں لکھا:

”دنیا کے اصلی حکمران وہ نہیں ہوتے جو نظر آتے ہیں۔“

1933ء میں صدر روزویلٹ نے ایک دوست کو لکھا:

جیسے ہے کہ جیکسن (Jackson) کے زمانے سے حکومت بڑے بڑے مالیاتی مراکز کے پاس ہے۔

جتنے زیادہ نوٹ گردش میں ہوں گے اتنی ان کی قیمت کم ہوگی۔ سیاستدانوں کو جتنا وہ چاہیں روپیہ مل جاتا ہے، مگر اس کا خیازہ عوام کو بھگنا پڑتا ہے۔ زیادہ خرچ سے افراد از رہا رہنگائی پیدا ہوتی ہے، گواں کا اثر بہت بعد میں سامنے آتا ہے۔ بینک آف انگلینڈ کے قیام کے بعد قبیلیں دو گناہوں کی گئیں۔ بے ہودہ سکیموں کے لیے قرض دیے گئے۔ ایک نے تجویز کی کہ بحیرہ احمر کا پانی نکالا جائے، تاکہ وہ سونا ہاتھ آئے جو فرعون کے لشکر کے ڈوبتے وقت سندھ میں غرق ہو گیا تھا۔ بینک کے قیام کے صرف چار سال بعد قرضہ جو پہلے 1.25 ملین تھا، 16 ملین ہو گیا، چنانچہ ٹکس بڑھادیے گئے۔

راتھ شیلڈ کا عروج

1743ء میں فرینکفرٹ (جرمنی) میں ایک سناراٹل موزز باؤر (Amschel Bauer) نے ایک سکوں کی دکان کھوئی جس کے دروازے کے اوپر سرخ رنگ کی پلیٹ پر رومان ایگل کا نشان بناتھا، جس کی وجہ سے دکان کا نام مریڈ شیلڈ یا راتھ شیلڈ (Roths Child) پڑ گیا۔

اس کے بیٹے میسر راتھ شیلڈ نے کار و بار سنبھالا تو سوچا کہ عام لوگوں کی نسبت حکومتوں کو قرضہ دینا زیادہ مفید ہے۔ قرضہ کی مقدار بھی بڑی ہوتی ہے اور اس کی واپسی

کے ساتھ دنیا کے دو بڑے مالی مراکز میں سے ایک ہے۔ بہاں ان کی اپنی پولیس ہوتی ہے۔

سٹوارٹ بادشاہوں سے جھگڑے کی وجہ سے منی چینجز ہالینڈ سے ایک شخص ولیم کو لے آئے۔ اس نے 1688ء میں جائز بادشاہ جیمز دوم کو نکال دیا۔ منی چینجز اور اشرفیہ کے درمیان یہ تعلق انگلستان میں آج بھی قائم ہے۔ بادشاہ کے پاس کوئی طاقت نہیں، اصل طاقت منی چینجز کے پاس ہے جس میں راتھ شیلڈ کا گھرانہ غالب ہے۔ بادشاہ کو کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں، وہ کینٹ کے ہاتھ میں ایک کٹ پٹی ہے۔ 20 جون 1934ء کو ”نیو برلن میگزین“ نے لکھا کہ ”برطانیہ اٹریشنل فانشل بلاک کا

غلام ہے۔“ اور لارڈ بریس (Bryce) کے یہ الفاظ نقل کیے:

”جمهوریت کا کوئی مستقل اور خنیہ دشمن نہیں سوائے مالی طاقتوں کے۔ بینک آف انگلینڈ کے کردار اور مقاصد پر دارالاعلام میں بحث نہیں کی جاسکتی۔“

بینک آف انگلینڈ

16ویں صدی کے آخر تک انگلینڈ معاشری تباہی کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ لگ بھگ پچاس سال فرانس کے ساتھ مسلسل جنگوں کے علاوہ نیدر لینڈ کے ساتھ بھی کبحار کی جنگوں نے مددھال کر دیا۔ سرکاری افسر منی چینجز کو ملے اور قرضہ کی درخواست کی۔ انہوں نے شرط لگائی کہ انہیں ایک پرایمیویٹ بینک کھولنے کی اجازت دی جائے جو اپنے روپے سے دس گناہ قرضہ دے سکے۔ یہ منظور کیا گیا۔ نام بینک آف انگلینڈ رکھاتا کہ اسے سرکاری سمجھا جائے۔ 1694ء میں وہ چارٹر ہوا۔ حکومت کو ضرورت کے مطابق قرضہ دینا منظور کیا گیا اور اس کی وصولی کے لیے لوگوں سے برآہ راست ٹکس لینے کا اختیار بھی لیا گیا۔ یہ قومی کرنی کی ذاتی فائدے کے لیے قانونی جلسازی تھی۔ اب یہ بات سب ملکوں میں ہے۔

یہ بینک اس قدر طاقتور ہیں کہ ملکوں کی اکانومی پر ان کا قبضہ ہے۔ حکومتیں سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں اور بینک ان کے اوپر غالب ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے

کس طرح برداشت کر سکتے تھے! 1746ء میں پارلیمنٹ نے کرنی ایکٹ پاس کیا جس کے مطابق امریکی نوآبادیات کو نوٹ چھاپنے سے منع کر دیا اور تمام ٹیکس سونے اور چاندی میں ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ امریکہ میں یہ پہلی بینک جنگ تھی جو اعلان آزادی سے شروع ہوئی تھی اور 1783ء میں معاهدة پیرس سے تکمیل کو پہنچی، جس میں منی چینجز کو شکست ہوئی۔ چونکہ سونا اور چاندی انگلینڈ نے ٹیکس میں لے لیا تھا اس لیے انہیں کاغذی نوٹ جاری کرنے پڑے۔

انقلاب کے شروع میں نوآبادیات میں 12 ملین ڈالر کے نوٹ گردش میں تھے۔ آخر میں 500 ملین ڈالر ہو گئے جس سے افراطی زر اتنا ہو گیا کہ ایک جوڑا جوتا پانچ ہزار ڈالر میں آتا تھا، مگر یہ اس لیے بھی ہوا کیونکہ برطانیہ سے جعلی نوٹ بھیجے گئے تھے۔

بینک آف نارٹھ امریکہ

انقلاب کے بعد براعظی کا نگریں (Continental Congress) روپے کی کی وجہ سے پریشان تھی۔ چنانچہ 1781ء میں اس نے رابرٹ مارس (Robert Morris) کو جس نے انقلاب میں خوب پیسہ بنایا تھا، پرائیوریٹ بینک بنانے کی اجازت دے دی، جس نے بینک آف نارٹھ امریکہ کے نام سے بینک قائم کیا۔ یہ بینک بھی بینک آف انگلینڈ کی طرز پر بنایا گیا جو حیثیت سے بڑھ کر قرضہ دے سکتا تھا۔ بہت جلد ڈالر کی قدر کم ہونی شروع ہو گئی، لہذا چار سال بعد بینک کو بند کر دیا گیا۔

آئینی کنوشن

1787ء میں نوآبادیاتی لیڈر فلاڈ لیما میں جمع ہوئے تاکہ بخی بیدکاری کے بارے میں آئینیں میں ضروری تراجمیں کریں۔ اس ضمن میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ ریاست سونے چاندی کے سکے بنائے کاغذی نوٹ نہ بنائے، حالانکہ اصل مسئلہ جزوی محفوظ

بھی محفوظ ہوتی ہے۔ میسر کے پانچ بیٹے تھے۔ اس نے انہیں تربیت دی اور یورپ کے بڑے دارالخلافہ ویانا، لندن، نیپلز، پیرس اور فرینکفرٹ میں بنس میں ڈال دیا۔ 1785ء میں میسر ایک بڑے مکان میں منتقل ہو گیا اور شف (Seiffs) خاندان کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا اور مکان کے باہر گرین شیلڈ کا بورڈ لگا دیا۔ شف کا پوتا نیویارک منتقل ہو گیا اور اس نے 1917ء میں روس میں بالشویک انقلاب میں مالی مدد دی۔ میسر کے بیٹے ناچھن راتھ شیلڈ نے انگلینڈ میں اتنا روپیہ بنایا کہ 17 سال میں وہ 2500 گنا ہو گیا۔ اس کے باپ نے اسے 20 ہزار پونڈ دیے تھے۔

وہ پانچ ملکوں میں تھے اس لیے ہر طرح آزاد تھے۔ انہیں کسی ایک جگہ تکلیف ہوتی تو دوسری جگہ ان کے سرماۓ کی بڑھوتری کے لیے سازگار ہوتی۔ نتیجتاً یورپ کے تمام شرفاں کے مقر و پوشش ہو گئے۔

انہوں نے صنعت کاروں کو بے تحاش روپیہ دیا، تاکہ ان کی اجارہ داری قائم ہو اور وہ آسانی سے روپیہ والپس کرنے کے قابل ہوں۔ ٹی بینک نے راک فیلر کو مدد دی تاکہ تیل میں اجارہ داری قائم کرے۔ میسر راتھ شیلڈ نے پیرس میں دو لاکھ ڈالر سے 40 کروڑ ڈالر بنائے۔ ایک شاعر نے کہا:

”روپیہ اس زمانے کا خدا ہے اور راتھ شیلڈ اس کا نبی ہے۔“

ایک مبصر نے کہا کہ ”یورپ میں صرف ایک طاقت ہے اور وہ راتھ شیلڈ ہے۔“

انقلاب امریکہ

1750ء تک برطانیہ چار بڑی لڑائیاں لڑ کا تھا۔ جنگی ضروریات کے لیے اپنے نوٹ جاری کرنے کی بجائے اس نے بینک سے بھاری قرضہ لیا تھا، جس کی مقدار 14 کروڑ پاؤ تھی اور سودا دا کرنے کے لیے اس نے امریکی نوآبادیات پر ٹیکس بڑھانا چاہا تھا۔

امریکہ میں بینک آف انگلینڈ کا کوئی اثر نہ تھا۔ مختلف ریاستوں نے ضرورت کے مطابق کاغذی نوٹ جاری کر کے کام نکالا شروع کر دیا، مگر بینک والے اس بات کو

سرمایہ پر قرض دہی تھا نہ کافندی نوٹ۔

پہلا بینک آف یوالیس

چونکہ پرائیویٹ بینکوں کے متعلق سچے نہیں کہا گیا تھا۔ اس خاموشی کا فائدہ اٹھا کر انہی لوگوں نے جنہوں نے بینک آف نارتھ امریکہ بنایا تھا، 1790ء میں بینک آف یو ایس بنالیا اور 1791ء میں انہیں 20 سال کا چارٹر دے دیا گیا۔ انہی دنوں میرشیلڈ نے اعلان کیا کہ:

”مجھے کسی ملک کا سکہ جاری کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کا اختیار دے دیا جائے، پھر مجھے پروانہ نہیں ہوگی کہ قانون کون بناتا ہے۔“

بینک کو حکومت نے 20 لاکھ ڈالر اپنا حصہ دیا۔ بینک نے وہی رقم حصہ داروں کو قرضہ میں دے کر ان کے حصے شامل کر لیے۔ بینک کو نوٹ چھاپنے اور جزوی محفوظ مالیت کی بنیاد پر قرضہ دینے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ بینک کا یہ نام اس لیے رکھا گیا تاکہ وہ سرکاری بینک معلوم ہو۔ بینک کا مقصد یہ تھا کہ افراطی رکھتم کرے، مگر ہوا یہ کہ گورنمنٹ نے بینک سے 80 لاکھ ڈالر قرضہ لے لیا۔

1811ء میں کانگریس میں بینک کو جاری رکھنے کا بل پیش ہوا۔ پریس نے اس پر سخت حملہ کیا، اسے گدھ اور سانپ کہا گیا۔ ناٹھن راتھ شیلڈ نے دھمکی دی کہ اگر بل پاس نہ ہو تو امریکہ کو ایک تباہ کن جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بہر حال بل کو ایک ووٹ کی کمی سے فٹکست ہو گئی۔ امریکہ اور سنشرل بینک کے درمیان یہ تیسرا جنگ تھی، پانچ ماہ کے اندر رانگینی نے امریکہ پر حملہ کر دیا اور 1812ء کی جنگ شروع ہو گئی۔

نپولین کا عروج

1800ء میں پیرس میں بھی بینک آف انگلینڈ کی طرز پر بینک آف فرانس بن چکا تھا، لیکن نپولین نے کہا کہ فرانس قرضہ نہیں لے گا۔

”دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اوپر ہوتا ہے، روپے کا کوئی وطن (mother land) نہیں ہوتا، روپے والوں میں جب الوطنی نہیں

دوسری بینک آف یو۔ ایس

1816ء میں کانگریس نے 20 سال کے لیے ایک اور پرائیویٹ بینک بنانے کی اجازت دے دی۔ اس کی شرائط اور کاروبار کی نوعیت پہلے بینک والی ہی تھیں اور غالباً ایک تہائی انویسٹر بابر کے لوگ تھے۔ اس سے امریکہ اور بینکوں کے درمیان چوتھی

واٹرلو

1815ء میں نپولین جلاوطنی سے بچ کر دوبارہ فرانس آگیا، فوج نے اس کو باادشاہ تسلیم کر لیا اور اب نپولین نے فرانس کے بینک سے فوج تیار کرنے کے لیے 50 لاکھ پونڈ ادھار لیے، مگر 90 دن کے اندر برطانیہ کے ڈیوک آف ولٹن نے واٹرلو کے میدان میں اسے فٹکست دے دی۔

اس کے بعد یہ بھی عام قاعدہ ہو گیا کہ بینک دونوں مخالفوں کو قرضہ دے، اس شرط پر کہ ہارنے والے کا قرضہ جیتنے والا ادا کرے گا۔ ایک اندازے کے مطابق 19 ویں صدی کے اوآخر میں راتھ شیلڈ خاندان کے پاس دنیا کی کل دولت کا آدھا حصہ آچکا تھا۔

ہوتی نہ شرافت ہوتی ہے، ان کا واحد مقصد نفع کرنا ہوتا ہے۔“

لیکن اس خطرے کا احساس ہونے کے باوجود اس نے کوئی تدارک نہ کیا۔ 1803ء میں صدر جیفرسن نے نپولین سے ایک سودا کیا، 30 لاکھ ڈالر کا سونا دے کر لوزیانہ (Louisiana) کا علاقہ فرانس سے خرید لیا۔ یہ رقم لے کر نپولین یورپ پر فتح کرنے نکل پڑا۔ بینک آف انگلینڈ نے ان سب ملکوں کو قرضہ دے کر مدد کی اور سب اس کے مقرض ہو گئے۔ چار سال بعد ناٹھن راتھ شیلڈ نے فرانس سے سونا سملک کر کے چین میں ڈیوک آف ولٹن کو دے دیا کہ فرانس پر حملہ کر دے۔ حملہ کے نتیجہ میں نپولین کو شکست کھا کر Louis XVIII کے حق میں دست بردار ہونا پڑا اور بعد میں اسے جزیرہ الba (Elba) میں ملک بذر کر دیا گیا۔

جنگ کا آغاز ہوا۔

انڈریو جیکسن (Andrew Jackson) یہ بینک بنانے کا مخالف تھا۔ وہ صدارت کا بھی امیدوار تھا۔ بینکرزا انتخابات کو کنٹرول کرنا چاہتے تھے۔ اس کے باوجود 1828ء کے انتخابات میں وہ کامیاب ہو گیا۔ بینک کی دوبارہ منظوری 1836ء میں لینی تھی اور وہ جیکسن کی دوسری ٹرم کا آخری سال ہونا تھا بشرطیکہ وہ اس وقت تک صدر رہتے۔ اس کے باوجود اس نے فیڈرل گورنمنٹ کے 11000 میں سے 2000 ملازمین کو برطرف کر دیا۔

1832ء میں جب دوسری ٹرم کے لیے انتخابات کا وقت قریب آ رہا تھا، بینکرزا نے سوچا کہ اس موقع پر جیکسن جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہے گا، اس لیے چار سال پہلے ہی انہوں نے بینک کی دوبارہ منظوری کے لیے کانگریس کو کہا کہ بل پیش کرے۔ کانگریس نے مان لیا اور بل پاس کر دیا۔ مگر جب بل صدر کے پاس پہنچا تو اس نے اسے ویٹو کر دیا اور اس پر وہ نوٹ لکھا جو ایک عظیم امر یعنی دستاویز ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”بینک میں 80 لاکھ ڈال کا سرمایہ غیر ملکیوں کا ہے۔ اتنی بڑی طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں دینا جو لوگوں کے سامنے اپنے کام کے ذمہ دار نہیں ہیں، بہت بڑی برائی کو جنم دے سکتی ہے۔ کیا اس سے ہمارے ملک کی آزادی کو خطرہ پیش نہیں آ سکتا؟ کرنی کو کنٹرول کرنا، لوگوں کا روپیہ وصول کرنا اور ان کو اپنے اوپر انحصار کرنا اس سے زیادہ خطرناک ہے جو دشمن کی فوجی طاقت سے ہو سکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ امیر اور طاقتور لوگ ذاتی اغراض کے لیے قانون کو موز لیتے ہیں، حالانکہ حکومت کو چاہیے کہ اللہ کی بارش کی طرح ہر غریب اور امیر، ہر اعلیٰ اور ادنیٰ سب کے لیے نعمت بنے۔ اگر کانگریس کو کاغذی نوٹ جاری کرنے کا حق ہے تو اس لیے ہے کہ وہ خود یہ نوٹ جاری کرے نہ کہ دوسروں کو اس کی اجازت دے۔“

ایکیشن آ گیا اور جیکسن اپنے ووٹ کے لیے باہر پھرنا شروع ہوا (اس سے پہلے صدارت کے امیدوار گھر میں ہی پڑے رہتے تھے)۔ اس کا نعرہ تھا بینک یا جیکسن،

بینکرزا نے 30 لاکھ ڈال سے مخالف امیدوار کی مدد کی، مگر جیکسن جیت گیا۔ جیکسن نے کہا کہ ابھی کرپشن کے سانپ کو صرف زخم لگا ہے، وہ مر انہیں۔ اس نے سیکرٹری خزانہ سے کہا کہ سرکاری روپیہ اس بینک سے نکال کر سٹیٹ بینک میں رکھے۔ اس نے انکار کر دیا۔ صدر نے دوسرے آدمی کو سیکرٹری مقرر کیا، مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ پھر تیر سے نے اس پر عمل کیا۔ صدر نے کہا کہ میں نے زنجیر ڈال دی ہے، اب اس کے دانت نکالوں گا۔ ادھر بینک کے صدر نکولاس پڈل (Nicholas Biddle) نے نئے سیکرٹری کو ہٹانے کے لیے اپنا اثر استعمال کیا اور کہا کہ اگر بینک کو چارٹر نہ کیا گیا تو وہ ملک میں کساد بازاری لے آئے گا۔ اس نے اعلان جنگ کیا:

”صدر سمجھتا ہے کہ اس نے اندھین لوگوں پر چاقو چالا بایا ہے اور جو لوگوں کو قید کیا ہے تو وہ بینک کے ساتھ جو چاہے گا کرے گا، وہ غلطی پر ہے۔“

پڈل نے مزید کہا کہ وہ ملک میں روپے کی سپالائی کم کر دے گا۔ لوگ سخت تکلیف میں چلے جائیں گے اور کانگریس مجبور ہو جائے گی کہ بینک کو بحال کرے۔ یہ خالص سچائی تھی جو (خلافِ معمول) بیان کی گئی۔ ایسا کئی بار ہوا مگر کسی کو پتا نہ چلا۔ بدل نے اپنی دھمکی پر عمل کیا۔ اس نے اپنے پرانے قرضے واپس مانگنے شروع کیے اور نئے قرضے دینے سے انکار کر دیا۔ لوگوں میں گھبراہٹ پیدا ہونے لگی۔ بدل نے صدر جیکسن کو ازراں دیا کہ حکومت نے اپنا روپیہ نکال لیا ہے، ہم مجبور ہیں۔ اس کے نتیجے میں اجر تیں اور مزدوریاں ناپید ہو گئیں۔ بے روزگاری بڑھ گئی، تاجر کنگال ہونے شروع ہوئے، قوم چلانے لگی، اخبارات صدر کے خلاف لکھنے لگے۔ بینک نے کانگریس کے ارکان کو بھی ادا نیگی سے انکار کر دیا اور ایک ماہ کے اندر اندر کا کانگریس اپنا اجلاس بلا نے پر مجبور ہو گئی۔ جیکسن کو صدر بننے کے چھ ماہ بعد ہی ملزم گردانا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صدر کو ملزم کہا گیا۔ جیکسن بینک پر برسا:

”تم سانپوں کی غار ہو۔ میں تمہیں نکالنا چاہتا ہوں، اور خدا نے قوم کی قسم! میں تمہیں نکال کے رہوں گا۔“

گولی چلنے کے بعد اس نے کہا:
”میرا بڑا مقصد یونین (ملکی اتحاد) کو بچانا ہے۔ غلامی کو بچانا یا ختم کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ اگر کوئی غلام آزاد کیے بغیر میں یونین کو بچا سکوں تو میں ایسا ہی کروں گا۔“

سول وار کی کئی وجوہات تھیں۔ جرمون چانسلر بسمارک نے سول وار کے کئی سال بعد 1876ء میں کہا:

”اس میں کوئی شک نہیں اور میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ امریکہ کو دو برابر کی طاقت والی فیڈریشنوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کئی سال پہلے یورپ کی مالی قوتیں کرچکی تھیں۔ بینکر کو ڈر تھا کہ اگر امریکہ ایک ملک رہا تو وہ اتنی بڑی مالی طاقت بن جائے گا جو یورپ کی سرمایہ کی برتری کو ختم کر دے گا۔“

ہاں! سول وار کی پہلی گولی چلنے کے چند ماہ کے اندر بینکر نے نپولین سوم کو 21 ملین فرانکس دیے، تاکہ میکسیکو پر قبضہ کر لے اور امریکہ (یو۔ ایس) کے جنوبی بارڈر پر فوجیں رکھ کر میکسیکو کو اپنی کالوںی بنالے۔ ادھر برطانیہ نے 11000 سپاہی امریکہ کے شمالی بارڈر پر لگا دیے۔

لٹکن کو روپے کی ضرورت تھی۔ 1861ء میں لٹکن نے منی چینخرز کو روپے کے لیے درخواست کی۔ انہوں نے 24 تا 36 فیصد سود پر قرضہ دینے کی حامی بھری۔ لٹکن نے ان کا شکر یہ ادا کیا اور اپنے ایک پرانے دوست کرnel ڈک ٹیلر (Dick Taylor) کو بلا یا اور مشورہ مانگا۔ ڈک نے کہا:

”یہ آسان ہے۔ کانگریس سے کہو کہ لیگل ٹنڈر خزانے کے نوٹ چھاپنے کی اجازت دے۔ وہ سپاہیوں کو دو اور لڑائی جیت لو۔“
لٹکن نے پوچھا کہ کیا لوگ اس نوٹ کو قبول کر لیں گے؟
ڈک نے کہا:

”جب وہ لیگل ٹنڈر ہوں گے، تو ہر کوئی قبول کرے گا اور وہ اندر وہ ملک ہر جگہ تسلیم کیے جائیں گے۔“

کانگریس کے ووٹوں سے بینک بحال ہو سکتا تھا، مگر پنسلوانیا کے گورنر نے (جہاں بینک کا ہیڈ کوارٹر تھا) صدر کی مدد کی۔ نیز بدل کے کھلے اعلان نے کہ وہ اکانومی کوتباہ کر دے گا، حالات کو بدل دیا۔ کانگریس میں اکثریت نے بینک کے خلاف ووٹ دیا اور اسے چارٹر نہ سکا۔ 1936ء میں بینک بند ہو گیا۔ یہ چوتھی بینک جنگ تھی۔

30 جنوری 1835ء کو صدر پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ نجح گیا۔ حملہ آور پر مقدمہ چلا مگر پا گل پن کی بنیاد پر اسے رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد اس نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ یورپ کے بعض طاقتو ر آدمیوں نے اسے یہ کام دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو اسے چھڑا لیا جائے گا۔

جیکسن نے منی چینخرز کو اس قدر خراب کیا کہ انہیں دوبارہ اس حالت تک پہنچنے کے لیے پوری ایک صدی لگی، جب 1935ء میں نیشنل بینک ایکٹ پاس ہوا۔

ابراہام لٹکن اور رسول وار

اگرچہ جیکسن نے پرائیویٹ سنٹرل بینک ختم کر دیا تھا مگر جزوی ریزرو بینکنگ برقرار رہی، یعنی بہت سے دوسرے بینک اپنی مالیت سے کہیں زیادہ قرضہ دے کر سود وصول کرتے رہے۔ مثلاً ایک بینک نے جس کے پاس صرف 86 ڈالر تھے، 50 ہزار ڈالر قرضہ دے رکھا تھا۔ منی چینخرز نے مرکزی حیثیت اور روپے پر اجارہ داری حاصل کرنے کے لیے پرانا حرہ آزمانے کا فیصلہ کیا، یعنی اڑائی کراؤ اور قرضہ دے کر انہیں اپنا دست نگر بناؤ۔

ابراہام لٹکن کے صدر بننے کے ایک ماہ بعد 12 اپریل 1861ء کو فورٹ سمٹر (Fort Sumter) میں سول وار کی پہلی گولی چل گئی اور پانچویں امریکن بینک وار شروع ہو گئی۔

لٹکن نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا تھا:

”مسئلہ غلامی میں دل دینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایسا کوئی قانونی حق نہیں ہے، نہ اس طرف میرا جان ہے۔“

مالیات پر مکمل کنٹرول حاصل ہو جائے گا۔ چند لوگ اسے سمجھیں گے مگر عوام کی اکثریت کو کچھ پتا نہیں لگ سکتا۔

اس کے بعد سرکاری روپے کے ساتھ بینکرز کا روپیہ بھی استعمال میں آنے لگا جو سود پر سرکاری باڈ خرید کر جاری کیا جاتا اور بینک نوٹ خریدنے والوں سے بھی سود لیا جاتا۔ علاوہ ازیں بینکرز نے کانگریس کو مجبور کیا کہ سرکاری نوٹ ختم کر دے اور وہ مان گئی۔ لیکن دوبارہ منتخب ہو گیا، لیکن 41 دن بعد ہی 14 اپریل 1865ء کو قتل کر دیا گیا۔ وہ زندہ رہتا تو بینکرز کو ختم کر دیتا، کیونکہ اس نے 21 نومبر 1864ء کو ایک دوست کو خطف لکھا تھا:

”روپے کی قوتیں امن کے زمانے میں قوم کا شکارِ کھلیق ہیں اور مشکل حالات میں سازشیں کرتی ہیں۔ وہ بادشاہت سے زیادہ جابر، مطلق العنان حکومت سے زیادہ مغزور اور دفتری کارندوں سے زیادہ خود غرض ہیں۔ کارپوریشنوں کو منتخب پر بٹھا دیا گیا ہے، اب اوپرے ایوانوں میں بد عنوانی پھیلی گی اور روپے کی طاقتیں ملک میں تعصبات پیدا کریں گی، یہاں تک کہ روپیہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے گا اور ریاستِ تباہ ہو جائے گی۔“

لیکن کے قتل پر جرم من چانسلر نے کہا:

”لیکن کی موت دنیا نے عیسائیت کی تباہی تھی۔ امریکہ میں اتنا عظیم اور کوئی شخص نہ تھا جو اس کی جگہ لے سکتا۔“

70 سال بعد یہ ظاہر ہوا کہ لیکن کو قتل کرانے والے بینکرز تھے۔

گولڈ سینڈ رو کووا پسی

لیکن کے بعد بینکرز کی کوشش تھی کہ روپے کا اجراء پورے طور پر ان کے ہاتھ میں آجائے اور چاندی کی بجائے سونا اس کی بنیاد ہو۔ یہ اس لیے کہ چاندی امریکہ میں بہت تھی اور اس کا کنٹرول مشکل تھا، مگر سونا قابل تھا اس لیے اس کی اجارہ داری آسان تھی۔ 1872ء میں بینک آف انگلینڈ نے ایک آدمی کو ایک لاکھ پونڈ دے کر بھیجا کہ کانگریس کے ارکان کو رشوت دے کر چاندی کی بجائے سونے کو معیار (سینڈ رو)

لیکن نے یہی کیا۔ 1862ء سے 1865ء تک اس نے 432 ملین ڈالر کے نوٹ چھاپ دیے۔ پرائیویٹ بینکوں کے نوٹوں سے پچان کے لیے ان کی پشت سبز سیاہی سے چھاپی گئی۔ ان کا نام گرین بینک پڑ گیا۔ ان نوٹوں کی وجہ سے حکومت کو کوئی سود نہیں دینا پڑا۔ لیکن مالیات کو بہتر سمجھ گیا۔ اس نے کہا:

”حکومت کو ہی کرنی پیدا کرنی اور چلانی چاہیے اور حکومت اور عام آدمی کی ضرورت پوری کرنی چاہیے۔ اس طرح لوگوں کو سود کے لیے لیکن بھی نہیں دینا پڑے گا۔ روپیہ آف انہیں رہے گا بلکہ خادم بن جائے گا۔“

ادھر برطانیہ میں اندرن ٹائمز نے یہاں قابلِ یقین ایڈیٹور میل لکھا:

”اگر یہ شرائیز مالی پالیسی جو نارتھ امریکہ میں شروع ہوئی ہے، برقرار رہی تو حکومت بغیر خرچ کے اپنا روپیہ پیدا کر لے گی، اپنی تجارتی ضروریات پوری کر لے گی اور مثالی طور پر خوشحال ہو جائے گی۔ پھر سب ملکوں کے بہترین دماغ اور دولت امریکہ پلے جائیں گے۔ اس ملک کو برداشت دینا چاہیے ورنہ وہ زمین کی ہر شہنشاہیت کو تباہ کر دے گا۔“

اس وقت تک یورپ کے سب بادشاہوں کو پرائیویٹ بینکوں نے زنجیر ڈال دی تھی، اس لیے بینکرز ان قیدی بادشاہوں کو بچانا چاہتے تھے۔

گرین بینک جاری ہونے کے چاروں کے اندر بینکرز کا اجلاس ہوا کہ گرین بینک تو ان کو تباہ کر دیں گے! انہوں نے فیصلہ کیا کہ امپورٹ ڈپوٹی اور سودا دا کرنے کے لیے گرین بینک قول نہیں کیے جائیں گے، یا ان پر 1851ء میں صدر چارج لیا جائے گا۔ لیکن مجبور ہو گیا اور نیشنل بینک ایکٹ بنانے کی اجازت دے دی۔ اس ایکٹ سے نیشنل بینک بننے جو ٹیکس فری تھے اور نوٹ بھی جاری کر سکتے تھے۔ 13 جون 1863ء کو راتھ شیلڈ برادران نے امریکہ میں اپنے حواریوں کو لکھا:

”موجودہ ایکٹ انہی لائنوں پر بنایا گیا ہے جو یہاں پچھلی گرمیوں میں برطانوی بینکوں نے تجویز کی تھیں۔ یہ بینکنگ برادری کے لیے انتہائی نفع آور ہے۔ روپیہ جمع کرنے کا اتنا عمده طریقہ پہلے کبھی نہیں بنا۔ اس سے نیشنل بینکوں کو ملی

اس مسئلہ کو صحیحتا تھا، اس نے کہا:
 ”جو کوئی بھی کسی ملک میں روپے کی مقدار کو کنٹرول کرتا ہے وہ تمام صنعت و تجارت کا مالک ہوتا ہے۔ جب آپ کو معلوم ہو کہ کتنی آسانی سے سسٹم کنٹرول ہو سکتا ہے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ افراط زراور کساد بازاری کیسے پیدا کرتے ہیں۔“

اس بیان کے چند ہفتے بعد 2 جولائی 1881ء کو صدر گارفیلڈ کو قتل کر دیا گیا۔

چاندی کی آزادی

1891ء میں منی چینز نے امریکن انکو نوی میں زوال لانے کی کمیشن بنائی۔ ان کی انجمن نے سب بینکروں کو جو خط لکھا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر کیا مقصد تھا۔

”کیم ٹمبر 1894ء کو ہم قرضے نہیں دیں گے، بلکہ واپس طلب کریں گے، پھر مسپی کے مغرب میں ہم دو تھائی کھیتوں اور شرق میں ہزاروں کھیتوں پر قبضہ کر لیں گے۔ پھر زمیندار ہمارے مزارع بن جائیں گے جیسے انگلستان میں ہیں۔“ یعنی لوگوں کی جانبی ادیں ہڑپ کرنا۔

1896ء اور 1900ء میں سینٹر برائے (Bryan) نے صدارت کا انتخاب لڑا اور اس نے گولڈسٹینڈ روڈ کی مخالفت کی مگر جیت نہ سکا۔

جزیرہ جیکل (JEKYLL ISLAND)

صدر ٹیڈی روز ویلٹ نے 1907ء میں نیشنل مانیٹری کمیشن بنایا۔ کمیشن کا چیئر میں سینٹر ایلڈریخ (Alderich) تھا جو مارگن کا حصہ دار تھا اور اس کی بیٹی کی شادی را ک فیلڈ جونیئر سے ہوتی تھی۔ ان کے پانچ بیٹے تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے۔ قانون پاس ہونے کے بعد ایلڈریخ دو سال کے ٹور پر یورپ روانہ ہو گیا۔ اس کے لیے اسے تین لاکھ ڈالر دیے گئے۔ اس کی واپسی پر نومبر 1910ء میں امریکے کے سات امیر ترین شخص خاموشی سے جزیرہ جیکل میں جمع ہوئے۔ ان میں پال وار برگ

بنائیں۔ چنانچہ وہ مل پاس ہو گیا اور چند سالوں میں جرمی، فرانس، اٹلی اور سوئز ریلینڈ وغیرہ میں بھی گولڈسٹینڈ رڈ تسلیم کر لیا گیا۔

امریکہ میں 1866ء میں ایک ارب 80 کروڑ کے ڈالر سرکولیشن میں تھے۔ انہیں بذریع کم کیا گیا حتیٰ کہ 1886ء میں 40 کروڑ رہ گئے۔ روپے کی کمی سے بے روزگاری اور کساد بازاری پیدا ہوئی۔ قوموں کو تباہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کرنی کی افراط کردی جائے اور پھر اسے کم کر دیا جائے۔

1876ء میں مزدوروں کی ایک تھائی بے روزگار ہو گئی اور قوم میں مطالہ شروع ہوا کہ گرین بیک اور چاندی کے سکے واپس لائے جائیں۔ چنانچہ کانگریس نے ایک کمیشن بھایا جس نے یہ ہوناک رپورٹ پیش کی:

”یورپ میں تاریک زمانہ (Dark Ages) روپے کی کمی اور قیتوں کے گرنے سے پیدا ہوا تھا۔ روپے کے بغیر ہندیب پیدا ہی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ روپے کی کمی سے وہ کمزور ہو کر بالآخر تباہ ہو گئی۔ سن عیسوی کے آغاز پر رومی سلطنت میں ایک ارب 80 کروڑ دھات کے سکے تھے۔ پندرہویں صدی کے آخر میں 20 کروڑ رہ گئے۔ چنانچہ وہ سلطنت تاریکی میں ڈوب گئی۔“

اس رپورٹ کے باوجود کانگریس نے کچھ عمل نہ کیا۔ اگلے سال ملک میں فسادات شروع ہو گئے۔ بینکر زنے اپارو یہ سخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے سیکرٹری نے ممبران کو کوکھا:

”ایسے بڑے بڑے اخبارات کی مدد کی جائے جو گرین بیک کی مخالفت کریں اور جو اخبار اس پر رضامند نہ ہو اس کی مددوک لی جائے۔ ایسا نہ ہو تو ہمارا انفرادی نفع کم ہو جائے گا۔ اپنے حلقے کے کانگریس میں کو بھی ملو اور اس کی مدد حاصل کرو۔“

فروری 1878ء میں کانگریس نے محدود تعداد میں چاندی کا ڈالر بنانے کی اجازت دے دی اور بینکوں نے بھی کچھ روپیہ ریلیز کر دیا۔ چنانچہ حالات بہتر ہو گئے۔ 1880ء میں جیمز گارفیلڈ (James Garfield) صدر منتخب ہو گیا۔ وہ

”فیڈ“ اس طرح روپیہ پیدا کرتا ہے:

- (l) فیڈ کی مارکیٹ کمیٹی کھلی مارکیٹ سے بانڈ خریدنے کا فیصلہ کرتی ہے۔
 - (b) نیویارک فیڈ بینک جہاں سے بھی میں بانڈ خرید لیتا ہے۔
 - (ج) فیڈ بانڈ بیچنے والے کو ادائیگی الیکٹرائیک کریڈٹ سے اس کے بینک کو کرتا ہے جو اتنی رقم اس کے حساب میں لکھ دیتا ہے، حالانکہ یہ رقم نہ کہیں سے آتی ہے، نہ جاتی ہے۔
 - (د) بینک اس رقم کو بطور ریزرو رکھ لیتے ہیں اور اس کے عوض وہ گناہ سودی قرضہ لوگوں کو دے دیتے ہیں۔
- اس طرح فیڈ عام بینکوں کو وہ گناہ سودی قرضہ دینے کا موقع مہیا کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کئی وجوہات سے بینک وہ گناہ سے بھی زیادہ قرضہ دے دیتے ہیں۔
- یا ایکٹ کا گنگریں نے پاس کر دیا اور صدرلوسن نے دستخط کر دیے۔ اس کی رو سے منی چینزرز کو لوگوں سے انعم تکیں وصول کرنے کا حق بھی دے دیا گیا۔ یا ایکٹ پاس ہونے سے پہلے اٹارنی الفرڈ (Alfred) سے پوچھا گیا تو اس نے کہا:
- ”یہ بل وہ چیز عطا کرتا ہے جو والی سڑیت اور برڑے بینک 25 سال سے مانگتے رہے ہیں، یعنی کرنی پر گورنمنٹ کی بجائے پرانیویٹ کنٹرول۔ ان کو اختیار ہو گا کہ روپیہ عام کر دیں یا کم“۔

جس دن بل پاس ہوا کا گنگریں میں لندبرگ (Lindberg) نے تنبیہ کی:

”یہ بل زمین پر عظیم ترین ٹرست قائم کرتا ہے۔ جب صدر دستخط کر دے گا تو روپے کی طاقت کی نظر آنے والی حکومت قائم ہو جائے گی۔ لوگوں کو فراہم نہیں آئے گی مگر زمانے کا بدترین قانونی جرم سرزد ہو چکا ہو گا“۔

کا گنگریں میں لوئیس میکفیڈن (Louis Mcfadden) نے کہا:

”اس ایکٹ نے میں الاقوامی بینکروں اور صنعتکاروں کی ایک سپر شیٹ قائم کر دی ہے تاکہ دنیا کو اپنی مرضی کا غلام بنائیں“۔

رانکٹ پیٹ مین (Wright Patman) نے کہا:

(Paul Warburg) بھی تھا جسے پانچ لاکھ ڈالر دیے گئے تاکہ پرانیویٹ مرکزی بینک کے حق میں فضا پیدا کرے۔ ان میں ایک جیکوب شف (Jacob Schiff) بھی تھا جو راتھ شیلڈ کے گرین ہاؤس کا حصہ دار تھا۔ (شف نے بعد میں زار روں کو مٹانے کے لیے دو کروڑ ڈالر خرچ کیے) راتھ شیلڈ، وار برگ اور شف آپس میں شادی کے بندھنوں میں بندھے تھے۔

میٹنگ کو غصیہ رکھنے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو نام کے پہلے لفظ سے پکاریں گے تاکہ ملازموں کو بھی علم نہ ہو کہ یہ کون لوگ ہیں۔

اس صدی کے پہلے دس سالوں میں امریکہ میں بینکوں کی تعداد دو گزی ہو گئی جس میں صرف 20 فیصد نیشنل بینک تھے اور ان کا سرمایہ 57 فیصد تھا۔ 70 فیصد کار پوریشن قرض لینے کی بجائے اپنے نفع پر چل رہی تھیں۔ بالفاظ دیگر امریکی صنعت منی چینخروں کے شکنچے سے آزاد ہو رہی تھی جس کا تدارک ضروری تھا۔ جس کے لیے یہ لوگ جمع ہوئے تھے انہیں معلوم تھا کہ اس کا تدارک ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں، مسئلہ صرف یہ تھا کہ نئے مرکزی بینک کا نام کیا ہو، تاکہ اصل بات کی طرف لوگوں کا دھیان نہ جائے۔ ایڈر رک کا خیال تھا کہ ”بینک“ کا لفظ بھی نام میں نہیں آنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے بینک کی بجائے فیڈرل ریزرو (فیڈ) کے نام سے ایک مرکزی ادارہ بنانے کا فیصلہ کیا جس کے مقاصد اور طریق کار ہو ہو وہی تھا جو سابقہ بینک آف یو ایس کا تھا۔

فیڈرل ایکٹ آف 1913ء

اب سوال یہ تھا کہ فیڈ (فیڈرل ریزرو) روپیہ کیسے پیدا کرے گا۔ اس کو سمجھنے کے لیے سرکاری بانڈ کی حقیقت کو سمجھنا ہو گا۔ بانڈ ایک وعدہ ہے کہ رقم واپس کر دی جائے گی اور سود بھی دے دیا جائے گا۔ لوگ انہیں خرید لیتے ہیں۔ جب مدت پوری ہوتی ہے تو رقم واپس مل جاتی ہے اور بانڈ ضائع کر دیا جاتا ہے۔

برونخ اور راتھ شیلڈ نے جنگ کے دوران 20 کروڑ ڈالر خرچ کیا۔

ان کا مقصد زارروس سے انتقام لینا بھی تھا، کیونکہ اس نے پرانیویٹ بینکوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ جیکب شف (Jacob Schiff) نے زار کو شکست دینے کے لیے دو کروڑ ڈالر خرچ کیے۔ بینکرز بالشویک کے ذریعے روس میں اقتدار حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن کیا امیر لوگ کمیوزم کی حمایت کریں گے، جو سرمایہ داری کو تباہ کرنے کا دعوے دار تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ کمیوزم سرمایہ داروں کا پیدا کر رہا تھا۔

گیری الین (Garry Allen) کہتا ہے:

”سو شلزم دولت کی مساوی تقسیم کا پروگرام نہیں بلکہ دولت کو جمع کرنے اور کثروں کرنے کا ایک طریقہ ہے، اس لیے سرمایہ دار اس کو پسند کریں گے۔“

لوئی میکفیڈن کہتا ہے:

”روسی تاریخ کو بینکرز نے بہت متاثر کیا ہے۔ روس کو فیڈ نے چیز بینک (Chase Bank) کے ذریعے قٹڈ دیے ہیں اور انگلینڈ نے فیڈرل ریزرو بینک کے ذریعے امریکہ سے قرضہ لے کر زیادہ سود پر روس کو دے دیا۔“

روس جرمنی کے بعد امریکہ سے توازن رکھنے کے لیے مفید تھا۔ 1989ء میں اس کے خاتمہ پر جیلن نیا توازن ہے اور اسے 10 کروڑ ڈالر کی تجارت کے ذریعے مددی جاری ہے۔ اس توازن کا مطلب یہ ہے کہ بینکرز کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ملک ان کے خلاف کرے تو وہ اس کے مخالف کو مدد دے کر نقصان پہنچائیں گے۔ روی سو شلزم میں بھی راک فیلر کا ٹی بینک برقرار رہا، جبکہ باقی قومیائے گئے۔ (پاکستان میں بھٹونے بینک کو قومیا لیا، لیکن بیرونی بینکوں اور صنعتوں کو رہنے دیا) روس میں کئی اور مغربی بینک بھی کام کرتے رہے۔ لٹوائی کے زمانے میں ڈالروں کی مقدار دو گنی ہو گئی اور ڈالر کی قیمت نصف ہو گئی۔

ہنگامہ پرور تیسری دہائی اور عظیم کساد بازاری

پہلی عالمی جنگ کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ منی چینیز کا بشمول امریکہ ہر ملک کی

”امریکہ میں اب دو حکومتیں ہیں۔ ایک آئینی حکومت اور دوسری فیڈرل ریزرو سسٹم کی آزادبے مہار اور بدون تعاوین حکومت۔“

حتیٰ کہ بھلی کے موجہ ایڈیسن (Edison) نے کہا:

”اگر حکومت ڈالر بانڈ جاری کر سکتی ہے تو وہ ڈالر بانڈ بھی جاری کر سکتی ہے۔ یہ کہنا جا سakt ہے کہ ہماری حکومت تین کروڑ کے بانڈ جاری کر سکتی ہے، مگر تین کروڑ کی کرنی جاری نہیں کر سکتی۔ دونوں وعدے ہیں مگر ایک سودخوروں کو موتا کرتا ہے اور دوسرا لوگوں کی مدد کرتا ہے۔“

تین سال کے بعد صدر ولسن نے بھی کہا:

”ہم پر ایک بدترین حکمرانی مسلط ہو گئی ہے۔ یہ آزاد رائے یا اکثریتی ووٹ کی حکومت نہیں بلکہ ایک چھوٹے سے غالب گروہ کی حکومت ہے۔ اب صنعت و تجارت کے مکان خوفزدہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کہیں ایک بہت منظم پراسرار اثر پذیر اور جو کس حکومت قائم ہے اس لیے بہتر ہے کہ وہ خاموش رہیں۔“

مرنے سے پہلے 1924ء میں صدر ولسن نے کہا:

”میں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی حکومت کو برپا کر دیا۔“

جیمز رینڈ (James Rand) نے کہا:

”گورنمنٹ کو کسی گروپ کو اپنے اوپر ایسا اختیار نہیں دینا چاہیے جیسا آج فیڈرل ریزرو بورڈ کو ہے۔ پرانیویٹ ادارے کو روپے کی قدر متعین کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔“

پہلی جنگ عظیم (1914-18)

بینکرز کو معلوم تھا کہ قرضہ کی ضرورت جتنی جنگ میں ہوتی ہے کسی اور وقت نہیں ہوتی۔ جنگ عظیم اول میں جمن راتھ شیلڈ نے جرمنی کو قرضہ دیا، برطانوی راتھ شیلڈ نے برطانیہ کو دیا، فرانسیسی نے فرانس کو دیا، جبکہ امریکہ میں مارکن ساماں جنگ کی خریداری کے لیے فرانس اور برطانیہ دونوں کا ایجنس تھا۔ چھ ماہ کے عرصے میں وہ دنیا کا امیر ترین شخص بن گیا۔ وہ ایک دن میں ایک کروڑ ڈالر خرچ کرتا تھا۔ وہ راتھ شیلڈ کا ساتھی تھا۔ صدر ولسن نے برونخ (Baruch) کو جنگی صنعت کے بورڈ کا صدر بنادیا۔

یہ ہے کہ 65 سال کی عمر میں بھی لوگوں کے پاس نہ مکان ہیں، نہ کھیت اور ان کے قرضے کی رقم نکال دیں تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔

فیدرل ریزرو نے مارکیٹ کو روپیہ سپلائی کرنے کی بجائے مزید 33 فیصد کم کر دیا لیکن روپیہ ختم نہیں ہوا، بلکہ ان کے پاس چلا گیا جنہوں نے کریش سے پہلے باہر خرید لیے تھے، پھر انہوں نے امریکہ ہی خرید لیا، علاوہ ازیں روپیہ یورپ کوڑا نفر ہونا شروع ہو گیا۔

ہٹلر کے پولینڈ پر حملے سے آٹھ سال پہلے کرنی سکیٹ کے صدر میکفیڈن نے کانگریس کو تنبیہ کی کہ ہٹلر کے عروج کی ادائیگی امریکہ کر رہا ہے۔

”پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی انٹرنیشنل بینکرز کے قبضے میں آگیا، اب وہ اس کے مالک ہیں۔ وہی اس کی صنعت کے مالک ہیں، اس کی پیداوار اور مفادِ عامہ کو کثراً کرتے ہیں، وہ گورنمنٹ کو امداد دیتے ہیں اور ہٹلر کو اپرالانے کے لیے انہوں نے ہی روپیہ دیا ہے۔ فیدرل ریزرو کے ذریعے 30 ملین ڈالر جرمنی میں ڈال دیے گئے۔ وہاں کی فیکٹریاں، سڑکیں، مکان، پارک اور جنائزیم ہمارے روپے سے بننے ہیں۔“

صدر ہوور (Hoover) نے چھوٹے بیکنوں کو اپرالانے کی کوشش کی مگر کچھ نہ بنا۔ روزویلٹ (Roosevelt) اسی سال 1932ء میں صدر بنا تو فیدرل ریزرو نے بٹا کھولا اور کچھ روپیہ نکالا۔

جنگ عظیم دوم اور ناکس قائم

صدر روزویلٹ نے پہلے تو منی چیخر کو سرد بازاری کا باعث گردانا۔ چنانچہ 4 مارچ 1933ء کو اس نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا:

”بے اصول منی چیخر کا عمل عوامی عدالت میں ملزم ہے اور لوگوں کے دل و دماغ اسے مسترد کرتے ہیں۔ منی چیخر ہماری تہذیب کے معبد کی اوپھی کرسیوں سے بھاگ گئے ہیں۔“

لیکن دو دن بعد ہی روزویلٹ نے بینک ہالیڈے کا اعلان کر دیا اور تمام بینک بند

اکانومی پر کنٹرول ہے، اور اب وہ اپنی ایک عالمگیر حکومت بنانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ پیرس امن کا فرنس میں لیگ آف نیشنز کے نام سے نئی عالمی حکومت کی تجویز پیش ہوئی اور صدر ولسن کے ساتھ برناڑ بروخ (Bernard Baruch) جس نے جنگ کے دوران کروڑوں ڈالر لفغ کمایا تھا، بھی کافرنس میں شامل ہوا لیکن دنیا بھی اس کے لیے تیار نہ تھی، ابھی وطنیت کا تصور ذہنوں میں جاگزیں تھا۔ برطانوی سیکرٹری خارجہ لارڈ کرزن نے اسے ایک اچھا مذاق کہا۔ امریکی کانگریس نے اس کی تائید نہ کی۔ تائید اور مالی امداد کے بغیر لیگ خود ہی مر گی۔

جنگ کے بعد امریکہ پر قرض دس گنا ہو گیا لیکن اکانومی درست رہی۔ دوسرے ممالک خاص طور پر برطانیہ سے سونا ٹراہی کے زمانے میں اور بعد میں بھی آتا رہا۔ صدر نے ٹیف بڑھا کر آمدی بڑھا۔

لیگ آف نیشنز کے بے معنی ہو جانے کی وجہ سے منی چیخر نے دوسری عالمی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ انہوں نے امریکن اکانومی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ فیدرل ریزرو نے روپے کی افراط شروع کر دی اور اسے 67 فیصد بڑھا دیا۔ بڑنس بڑھ گیا لیکن وہ سب ادھار پر تھا۔ سب خوش تھے مگر محل ریت پر بنا تھا۔

اپریل 1929ء میں فیدرل ریزرو کے سربراہ واربرگ (Warburg) نے اپنے دوستوں کو وارنگ بھیجی کہ سردازاری کا آنا یقینی ہے۔ اگست 1929ء میں فیدرل ریزرو نے روپیہ کھنچنا شروع کر دیا، اور یہ حص اتفاق نہیں کہ شاک مارکیٹ کریش ہونے سے پہلے راک فیلز، مارگن اور براؤن وغیرہ نے اپنے حصے بچ دیے۔

24 اکتوبر 1929ء کو بڑے بینکروں نے اپنے قرضے واپس مانگ لیے۔ لوگوں کو اپنے شاک معمولی قیمتوں پر بچنے پڑے اور مارکیٹ بیٹھ گئی۔ اس دن کو ”تاریک جمعرات“ کا نام دیا گیا۔ یہ حادثہ روپیہ بچنے لینے کی وجہ سے ہوا۔

چند ہفتوں میں تین بیلین ڈالر کم ہو گئے، ایک سال میں 40 بیلین کم ہو گئے اور بالآخر اساعت اور متوسط طبقے کے ہاتھوں سے 200 بیلین ڈالر نکل گئے۔ آج حال

بڑھ گیا، وغیرہ۔

راک فیلر نے باشوشیک روں کو مدد دی اور ساتھ ہی نازی جرمنی کو اور روزویلٹ کے نئے سو شل پروگرام کے لیے بھی رقم دی۔ وال سٹریٹ سب کی پشت پر تھی۔

جنگ کے بعد دنیا دوا کنام گرو ہوں میں بٹ گئی۔ ایک طرف کمیونسٹ اکانوی تھی اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ اجارہ داری اور ان کے درمیان مستقل سرد جنگ شروع ہو گئی۔ بینکرز کی گرفت دونوں پر تھی۔

لڑائی کے بعد دو پارٹی یا کئی پارٹی جمہوریتوں کے قیام سے جوڑ توڑ مزید آسان ہو گیا۔ روپے کی کمی اور مشکل وقت میں لوگوں کا رہنمایان کمیونزم کی طرف ہوتا۔ زیادہ روپیہ اور آسان وقت میں دوسری طرف ہو جاتا۔

انٹریشنل بینکرز روپے کی کمی یا بیشی پیدا کرنے پر قادر تھے۔ مالی طاقت اور میڈیا پر کنٹرول کے ذریعے جمہوریتوں کو زیر وزیر کرنا آسان تھا۔

اب وہ وقت آچکا تھا کہ بینکرز معاشری نظام کو پوری دنیا میں ایک کر دیں اور پھر دنیا پر اپنی حکومت یا نیبورلڈ آرڈر قائم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے پلان بنایا۔

یہ سدھا قدم: پوری دنیا کی معاشریات کو ایک مرکزی بینک کے ذریعے کنٹرول کرنا۔

دوسرा قدم: علاقائی معاشری کنٹرول کے لیے یورپی یونین اور نافتا (NAFTA) جیسی تنظیموں کا قیام۔

تیسرا قدم: ورلڈ سینٹرل بینک کے طور پر بی آئی ایس، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا قیام اور ایک بین الاقوامی نوکر شاہی، WTO کے تحت (GATT) کر کے ٹیف ختم کر کے قوموں کی آزادی سلب کر لی جائے۔

پہلا قدم مدت ہوئی کامل ہو چکا ہے۔ دوسرا اور تیسرا بھی کامل ہونے کو ہے۔ علاقائی نافتا کی منظوری کے موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے راک فیلر نے کہا: ”پانچ سو سال بعد مغرب میں ایک نئی دنیا بسانے کے لیے ہر چیز اپنی جگہ پر آ رہی ہے۔“

کر دیے۔ اسی سال بعد میں اس نے سونا اور سونے کے سکے ذاتی ملکیت میں رکھنا غیر قانونی قرار دے دیا۔ عام امریکیوں کے پاس سونے کے سکے ہی تھے۔ لہذا نئے حکم کا مطلب ان کی ضبطی تھا۔ نہ ماننے والوں کی سزا اس سال قید اور دس ہزار جرمائی تھا جو آج کے ایک لاکھ ڈالر کے برابر تھا۔

جمع کرانے والوں کو فی اونس کے عوض 20.66 ڈالر دیے گئے۔ ضبطی کا حکم اتنا ناپسندیدہ تھا کہ کوئی اسے اپنانے کو تیار نہ تھا۔ حتیٰ کہ صدر نے کہا کہ وہ اس قانون کا مجوز نہیں ہے بلکہ اس نے اسے پڑھا بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ ماہرین یوں چاہتے ہیں، سو چوکہ وہ ماہرین کون تھے۔

روزویلٹ نے لوگوں کو یہ کہہ کر یقین دلایا کہ اس طرح کساد بازاری دور ہو جائے گی۔ لیکن سونا استعمال نہ کیا گیا اور فریڈ نے روپے کو بھی محدود رکھا۔

12 مئی 1933ء کو کانگریس نے یہ قانون پاس کیا کہ صدر 3 بلین ڈالر کے نوٹ جاری کرے (جیسے لگن کے گرین بیک تھے)۔ بینکرز نے مطالبة کیا کہ صدر یہ نوٹ جاری نہ کرے اور صدر نے تسلیم کر لیا۔

پھر روزویلٹ نے آرڈر دیا کہ سونے کا یہ پہاڑ ایک جگہ جمع کیا جائے۔ 1936ء میں ناکس قلعہ میں وہ جگہ تعمیر ہو گئی اور جنوری 1937ء میں سونا وہاں آنا شروع ہو گیا۔ 1935ء میں جب سب سونا عوام سے منتقل ہو گیا تو اس کی قیمت 35 ڈالر فی اونس کر دی گئی۔ دھوکا دینے کے لیے کہا گیا کہ صرف غیر ملکی اس نرخ پر بیج سکتے ہیں۔ منی چیخیرز نے جنہوں نے واربرگ کے نوٹ پر سونا 20.66 ڈالر کے حساب سے یورپ پہنچ دیا تھا، اب یہ سونا واپس منگوا کر گورنمنٹ کے پاس مہنگے نرخ پر بیجتا۔

دوسری جنگ عظیم ہوئی تو دنیا کی سب قوموں کا قرضہ بہت بڑھ گیا۔ امریکہ کا قرضہ جو 1940ء میں 43 بلین ڈالر تھا 1950ء میں 257 بلین ڈالر ہو گیا، یعنی 598 فیصد بڑھ گیا، جاپان کا قرضہ 348 فیصد بڑھ گیا اور کینیڈا کا قرضہ 417 فیصد

آڈٹ کیا جائے مگر خزانچی اجازت نہیں دیتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صدر ایزن ہاور کے حکم پر 1953ء میں جو آڈٹ ہوا، وہی ہوا۔

سونا کہاں گیا؟ 1971ء تک سب سونا وہاں سے نکال لیا گیا ہے۔ زیادہ تر فیڈ کے ذریعے بینک آف انگلینڈ کو دے دیا گیا۔ جب یہ ہو چکا تو صدر رنکس نے روزولٹ کا 1934ء کا قانون منسوخ کر دیا اور امریکیوں کو سونا خریدنے کی اجازت دے دی۔ قدرتی طور پر سونے کی قیمت بڑھنے لگی۔ 9 سال کے بعد 880 ڈالرنی اونس، یعنی اس وقت سے جب ناکس قلعہ کا سونا بیچا گیا²⁵ 25 گنازیادہ ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ سونے کی یہ چوری کیسے ظاہر ہوئی؟ 1974ء میں ایک رسالے میں ایک مضمون لکھا گیا کہ راک فیلر کا غاذدان ناکس قلعہ کا سونا یورپ کے گنمam سٹہ بازوں کو فروخت کر رہا ہے۔ تین دن کے بعد اس کہانی کی گنمam محرومی آخن کلاس بار (Louise Auchincloss Boyer) نیشن راک فیلر کی سیکرٹری رہی تھی۔

حکومت کو بار بار آڈٹ کے لیے کہا گیا ہے مگر حکومت ڈرتی ہے، لیکن کس سے؟ صدر ریگن 1981ء میں صدر بنا۔ اس نے حکومت کے اخراجات کنٹرول کرنے کے لیے گولڈ سٹینڈرڈ اپنانے کا ارادہ کیا اور گولڈ کمیشن بھایا۔ 1982ء میں کمیشن نے رپورٹ دی کہ خزانے کی ملکیت میں کوئی سونا نہیں ہے۔ سب سونا فیڈرل ریزرو کی ملکیت ہے جو پرائیویٹ بینکروں کا ایک گروہ ہے اور سونا جو فیڈرل ریزرو بینک میں ہے وہ بھی بینک کا اپنا ہے یا اس کے بیرونی مالکوں کا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انتاروپیہ عوام کی جیبوں میں سے نکال کر چند پرائیویٹ منی چینجز کے حوالے کر دیا گیا ہو۔

ورلڈ سینٹرل بینک

آنیٰ ایم ایف کا ہیڈ کوارٹر واشنگٹن میں ہے اور سڑک کے دوسری طرف ورلڈ بینک ہے، وہ کیا کر رہے ہیں؟

1994ء میں گیٹ ٹریئی بنائی گئی جس کی رو سے ملکوں کے درمیان ٹیرف ختم کیے جا رہے ہیں۔ عالمی جنگ کے بعد بینکرز کے زیر کنٹرول مغرب کی حکومتوں پیچا سالہ پروگرام کے تحت اپنے شہریوں کی دولت ضبط کرنے میں لگی ہیں۔ یہ کام افراطی رپیدا کر کے کیا جاتا ہے۔ اس سے مزدوریوں اور تنخواہوں کی قوت خرید کم ہو جاتی ہے اور ٹکنیکس بڑھ جاتے ہیں اور روپیہ بینکرز کو منتقل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

بینک آف انگلینڈ کا ایک ڈائریکٹر کینیز (Keynes) یوں کہتا ہے: ”افراطی رکو مسلسل بڑھا کر حکومت خفیہ طور پر شہریوں کی دولت کا بڑا حصہ ضبط کر لیتی ہے۔“

1913ء میں فیڈ بننے کے بعد امریکہ میں 1000 فیصد افراطی رہو چکی ہے جس سے ڈالر کی قوت خرید 90 فیصد کم ہو گئی ہے۔ یورپ میں بھی یہی ہوا ہے، لیکن حکومتوں کو بہت کم نفع ہوا ہے۔ چند بینک جو جزوی ریزرو بینکنگ پر کام کرتے ہیں، سب دولت سمیٹ کر لے گئے ہیں، اس قدر کہ متوسط طبقہ ان کے قرضوں کا غلام ہے جن کے پاس نہ میں ہے، نہ مکان، نہ کار اور نہ کچھ۔ متوسط طبقہ اور غریب طبقوں میں صرف یہ فرق رہ گیا ہے کہ متوسط طبقہ کو اس کی کمائی دیکھ کر قرض مل جاتا ہے جبکہ غریب طبقے کو نہیں ملتا۔

”سونے کی کیفیت کیا ہے؟ کیا امریکہ کے پاس اتنا سونا نہیں ہے کہ اپنے قرضے کے مسئلے کو حل کر سکے؟ سب سے زیادہ سونا آئی ایم ایف کے پاس ہے۔ اس کے اور دوسرے مرکزی بینکوں کے قبضے میں دنیا کا دو تہائی سونا ہے۔ اس لیے کوئی بھی ان کے مقابلے یا روپے کی پشت پناہی کے لیے سونا استعمال نہیں کر سکتا۔ ان کا سہری قانون یہ ہے کہ ”جس کے پاس سونا ہے وہی قانون بناتا ہے۔“

بہت سے امریکیوں کا خیال ہے کہ سونا ابھی ناکس قلعہ میں ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمہ پر ناکس قلعہ میں 702 میں اونس سونا تھا، یعنی پوری دنیا کے سونا کا 70 فیصد۔ اب کتنا باقی ہے کوئی نہیں جانتا۔ قانون کہتا ہے کہ ناکس کا ہر سال فزیکل

زیر تسلط ممالک میں اقتدار کا انتقال بڑے انقلابی انداز میں ہوتا ہے۔ بد دیانت حکومتوں کو جعلی قرضہ دیا جاتا ہے اور جب عوام اس کے بوجھ تلے دب کر بے بس ہو جاتے ہیں تو آئی ایم ایف ان کی آزادی اور دولت دونوں کو ہڑپ کر لیتا ہے۔ جب یہ کام ساری دنیا میں مکمل ہو جائے گا تو ولڈ بینک یہ فیصلہ کرے گا کہ کس ملک کو ابھی زندہ رکھنا ہے اور کس ملک کے بچوں کو بھوکامرنے دینا ہے۔

ترقی کے لیے اور غربتی کو دور کرنے کے لیے قرضوں کے متعلق خواہ پکھ دعوے بھی کیے جائیں ان سے مقروض قوموں کی دولت منی چیخڑ کے سینٹرل بینکوں کو منتقل ہو جاتی ہے۔ مثلاً 1992ء میں تیسری دنیا کی مقروض قوموں نے ولڈ بینک اور ترقی یافتہ ملکوں کے بینکوں کو 1981 بلین ڈالر اس سے زیادہ دیے جوانہوں نے لیے تھے۔ مزید قرض دے کر ان کے قرضوں کو مسلسل بڑھایا جا رہا ہے۔ ٹالستانی نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

”میں ایک شخص کی پیٹھ پر بیٹھا اس کا گلا دبارہ ہوں اور ساتھ ہی کہتا ہوں کہ مجھے افسوس ہے، میں تو اس کی حالت بہتر بنانا چاہتا ہوں سوائے اس کے میں اس کی پیٹھ سے اتروں گا نہیں۔“

1982ء سے مقروض ممالک ہر ماہ 6.5 بلین ڈالرسو دیتے ہیں۔ اگر اصل زر بھی شامل کر لیا جائے تو ہر ماہ 12.5 بلین ڈالر ادا کرتے ہیں جو اس رقم سے زیادہ ہے جو تیسری دنیا صحت اور تعلیم پر خرچ کرتی ہے۔ 1980ء میں لاطینی امریکہ نے 80 بلین ڈالر اصل زر پر 418 بلین ڈالرسو دادا کیا۔ 1992ء میں افریقہ کا پیروںی قرضہ 290 بلین ڈالر ہو گیا جس سے بچوں کی اموات بے روزگاری، سکولوں، مکانوں اور صحت عامہ کی بر بادی عام ہو گئی۔ ایک افریقی ریاست کے سربراہ نے کہا:

”کیا ہم یہ قرضہ ادا کرنے کے لیے بچوں کو بھوکامردیں۔“
منی چیخڑ کا جواب تھا: ”ہاں۔“

1997ء میں دنیا کے 441 کھرب پتیوں کے پاس اتنی دولت تھی جتنی دنیا

پہلی عالمی جنگ کے بعد امن عالم کے لیے انٹرنیشنل بینکرز نے عالمی حکومت کا نظریہ پیش کیا تھا اور اس کے لیے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا تھا۔ ولڈ بینک، ولڈ کورٹ اور ایک عالمی انتظامیہ اور متفقہ یعنی لیگ آف نیشنز۔ 1930ء میں ہیگ (نیدر لینڈ) میں ولڈ کورٹ بھی بنادی گئی لیکن انہیں تسلیم نہ کرایا جاسکا۔ چنانچہ بینکرز نے دوسری عالمی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

دوران جنگ پر بیشانیوں کی وجہ سے 1944ء میں آئی ایم ایف اور ولڈ بینک کو تسلیم کر لیا گیا۔ 1945ء میں لیگ آف نیشنز نے نام یونائیٹڈ نیشنز (U.N.) کے نام سے وجود میں آگئی۔

لندن کے بینک آف انگلینڈ کی طرح آئی ایم ایف کے لیے تسلیم کیا گیا کہ اسے عدالتی کارروائیوں میں نہیں ڈالا جائے گا، اس کی جائیداد کی جلاشی یا ضبطی وغیرہ نہیں کی جائے گی، اس کے شاف کے خلاف مقدمہ بازی نہیں ہوگی، ان پر ٹکس نہیں لگایا جائے گا (ولڈ بینک کے لیے بھی ایسا ہی معاملہ کیا گیا)۔ پھر آئی ایم ایف کو اپنے نوٹ ایس ڈی آر (S.D.R.) دنیا بھر میں چلانے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اب تک وہ 30 بلین ڈالر کے ایس ڈی آر جاری کرچکی ہے اور سب قوموں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ انہیں اپنی کرنی سے تبدیل کر لیں۔ 1968ء میں کانگریس نے ڈالر کو ایس ڈی آر سے بدلنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ میں ایس ڈی آر قانونی سکھے ہے۔ جب دوسری قوموں نے بھی اسے تسلیم کر لیا تو وہ کل عالم کرنی بن جائے گا۔

یہ سناروں کا پرانا دھوکا ہے جو وہ سینٹرل بینک کے ذریعے پہلے کسی ایک ملک میں کرتے تھے، اب ولڈ بینک کے ذریعے تمام دنیا میں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا اقتصادی کنٹرول ولڈ بینک اور آئی ایم ایف کے چند بینکروں کے ہاتھ میں آجائے گا۔ اگر اس گروپ میں ایک آدمی غالب ہوا تو صرف وہ ایک آدمی دنیا کی معاشیات کو کنٹرول کرے گا اور یہ نہایت خطرناک صورت حال ہو گی۔ ولڈ بینک کے

پھر بھی کسی سوسائٹی میں اتحاریٰ، تمدن اور روایات کے مابین کوئی نہ کوئی ربط ہوتا ہے، جسے سو شمس، خیالی پلاوپکانے والے اور باغی عناصر درہم برہم کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں کمیونٹ دنیا میں ظلم، محتابی اور غیر انسانی رو یہ پیدا ہوا اور تیسری دنیا میں اجارہ دار اور سرمایہ دار، ان کے نتیجہ میں ایک طرف اشرافیہ پیدا ہوئی اور دوسری طرف دکھوں بھری غریب عوام۔

ہمیں ایک منصافانہ توازن قائم کرنا ہے۔ اس وقت ملمع کی ہوئی جمہوری حکومت کے پردے میں دولت کے بڑے اثرات حاوی ہیں جن پر منی چھیرز کے اخبار آسانی سے اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کی مرضی سے جمہوری رہنماؤں کا انتخاب خام خیالی ہے۔ آج کی جمہوریت محض سرمایہ داروں کا ڈرامہ ہے۔ لوگوں کی مرضی کو سرمایہ داروں کی مرضی پر ڈھال لیا جاتا ہے۔ ہندا اصلاح کے لیے سب سے پہلے افراد کا اخلاق سدھارا جائے اور لوگوں میں عاقبت اندیشی، انصاف اور صبر جیسے اوصاف پیدا کیے جائیں۔

اب اصل مسئلہ

ہم کیوں مقروض ہیں؟ اس لیے کہ ہم قرضہ سسٹم پر کام کر رہے ہیں جس میں روپے کے ساتھ اتنا ہی قرضہ پیدا کر دیا جاتا ہے جسے پرائیویٹ بینکر اپنے فائدے کے لیے کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ روپیہ پیدا کرتے ہیں اور سود پر دیتے ہیں اور ہم قرضہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ فیڈرل ریزرو سسٹم نیم سرکاری ادارہ ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے سات ممبروں میں سے صدر صرف دو ممبر مقرر کرتا ہے اور صدر میں بہت نہیں کہاں کہاں سٹریٹ کے منظور کردہ ممبر کے سوا کسی کو مقرر کرے۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ گورنمنٹ روپیہ پیدا کرنے کے لیے بالذنوبتی ہے۔ لوگ بالذ خرید لیتے ہیں، فیڈرل بھی خرید لیتا ہے مگر وہ ان کی بنیاد پر اپنے نوٹ جاری کر دیتا ہے، پھر

کے نصف، 24 بلین غریبوں کے پاس تھی۔

براہیل کے ایک سیاستدان نے کیا خوب کہا ہے: ”تیسری عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ خاموش جنگ ہے لیکن کم منحوس نہیں ہے۔ یہ جنگ براہیل، لاٹینی امریکہ اور ساری تیسری دنیا کو چیز پھاڑ رہی ہے۔ اس میں ساپاہیوں کے بجائے بچے مرتے ہیں۔ یہ تیسری دنیا کے قرضے کی جنگ ہے، جس کا تھیار سود ہے جو ایتم بم سے زیادہ تباہ کن ہے۔“

اگر چہ سینٹرل بینکنگ اور جزوی ریزرو بینکنگ میں راتھ شیلڈ، وار برگ، شف، مارگن اور راک فلیلر کا پارٹ کم اہم نہیں ہے، مگر اب ان بینکوں کو تین صد یاں گزر چکی ہیں اس لیے وہ مستحکم ہو چکے ہیں۔ اب وہ مکار افراد کے سہارے کے مقام نہیں۔ ملکیت کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی۔ بینک آف انگلینڈ اور بینک آف فرانس کو جنگ عظیم دوم کے بعد قومیا لیا گیا مگر اس سے کچھ فرق نہیں پڑا۔ بینکر زنے نے قوانین اس طرح بنوائے کہ ان کا کنٹرول باقی رہے۔ بینک گورنمنٹ کنٹرول سے آزاد ہیں اور قوانین تنخواہ دار سیاستدانوں اور گروہی شدہ اخباروں کی حفاظت میں ہیں۔

وقت نے انہیں عزت اور وقار بھی بخش دیا ہے۔ انہیں بینکر ز کی چھٹی نسل چلا رہی ہے۔ اسی طرح ولڈ بینک اور دوسرے بینکوں میں کام کرنے والے دفتری لشکر کو کسی بات کا علم نہیں۔ اگر انہیں بتایا جائے کہ ان کا عمل انسانیت کو چند بے اصول سرمایہ داروں کا غلام بنارہا ہے تو ان کے دل بھی دہل جائیں۔

آج چند آدمیوں پر توجہ دینا زیادہ مفید نہیں، بلکہ اس سسٹم کو بدلتا ہے جو چند آدمیوں کو امیر بنارہا ہے۔ مگر سسٹم بھی کسی خاص نقطے نظر پر مخصر ہوتا ہے، اس لیے بنیادی مادی نقطہ نظر کو بدلتا ضروری ہے۔

دولت کی مساوی تقسیم کی سکیم قابل عمل نہیں، بلکہ اکثریت کو غریب تر کر دے گی۔ کسی نے کہا تھا کہ اگر کسی صحیح سب لوگوں میں دولت بر امداد بانٹ دی جائے تو شام تک سست آدمی وہ سب کچھ ضائع کر چکا ہو گا اور مختنی آدمی کے پاس پہنچ چکا ہو گا۔

اور اپنی تاریخی اور تمدنی حیثیت برقرار رکھ سکیں۔ جس طرح خاندانوں کو برقرار رکھنا ضروری ہے اسی طرح قوموں کو برقرار رکھنا بھی ضروری ہے۔

یو این او، اور لڈ بینک اور ولڈ کورٹ کو یا تو ختم کر دیا جائے یا ان کی اس طرح اصلاح کی جائے کہ وہ قوموں کی آزادی ختم کیے بغیر مفید کام کر سکیں۔ کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ منی چیخڑز کیا چاہتے ہیں؟ وال سٹریٹ کے سب سے بڑے بینک چیز میں ہٹن (Chase Manhattan) کے اس وقت کے چیخڑز میں راک فیلر نے کہا:

”ہم زمین پر مکمل تبدیلی کے کنارے پر ہیں۔ ایک بڑا بحر ان اس کی ضرورت ہے، پھر قومیں نیا اور لدآ رڈ قبول کریں گی۔“

سوال صرف یہ ہے کہ وہ بحر ان کب ہو گا؟ کیا فوری دھماکے سے یا لگنگس بڑھا کر، اور جاب ختم کر کے یا تدریجی کساد بازاری سے؟ حال ہی میں پوپ پاکس نے کہا:

”ہمارے زمانے میں نہ صرف دولت اکٹھی ہو گئی ہے بلکہ بہت بڑی طاقت اور جابر انہ اقتصادی غلبہ چند ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ اس طاقت کا مقابله نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کے پاس روپیہ ہے اور وہ اسے کٹھوں کر تے ہیں۔ قرض دینے اور اس کا انتخاب بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح اقتصادی جسم کو وہی خون سپلانی کرتے ہیں۔ گویا ان کے ہاتھ میں اقتصادیات کی روح ہے اس لیے کوئی ان کی مرضی کے خلاف سانس بھی نہیں لے سکتا۔“

مقروض اقوام کیا کر سکتی ہیں؟

اگر ایک مقروض قوم اپنی معاشرت میں بنیادی اصلاحات لانے میں ناکام رہتی ہے تو اسے قرض چکانے کے لیے لامحالہ ان پانچ چیزوں میں سے کوئی ایک راستہ اپنا پڑے گا۔

- ۱) ایکسپورٹ بڑھا کر زیادہ زر مبالغہ حاصل کریں۔
- ۲) مزید قرض لے کر پچھلا قرض چکائے۔
- ۳) بیرونی قرضے چکانے سے انکار کر دیں۔ اس طرح اس پر تجارتی پابندی الگ سکتی

ان نوٹوں کو کاغذوں میں دوسرے بینکوں کو ترانسفر کرتا ہے جو ان کی مالیت سے دس گناہ قم سود پر دیتے ہیں۔

ہم کیا کر سکتے ہیں؟ حکومت با غذیج چجے جن کو یو۔ ایس نوٹوں سے خریدا جائے۔ ان پر کوئی سود نہ ہونہ قرضہ ہو، اس سے افراطی زر ہو جائے گا مگر اسے قابو کیا جا سکتا ہے۔ جزوی ریزرو بینکنگ کی اجازت نہ ہو اور بینک کے پاس جتنا روپیہ ہے اتنا ہی وہ قرض دے۔

فیڈ کی بلڈنگ یو۔ ایس نوٹ رکھنے کے لیے یا کلیرنگ کے لیے استعمال ہو۔ فیڈرل ریزرو ایکٹ کی ضرورت نہیں، اسے منسون کر دیا جائے۔ روپیہ گورنمنٹ کے کٹھوں میں آجائے اور بینک اسے کم و بیش نہ کر سکیں۔

یہ کرنے کے بعد ہم اپنا قومی قرضہ ایک سال میں ہی ادا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ لگنگس کم ہونے شروع ہو جائیں گے، افراطی زر نہیں ہو گا، اجرتوں اور بچتوں کی قیمت مستقل طور پر برقرار ہو گی، اور ملک میں اقتصادی استحکام ہو گا اور منی چیخڑز کا حکومت پر اختیار ختم ہو جائے گا۔

اصلاح زر کے نکات

- ۱) اپنے سرکاری نوٹوں سے قومی قرضہ چکا دو۔ ضرورت کے مطابق نوٹ بنالو۔
 - ۲) جزوی ریزرو بینکنگ ختم کر دو۔ قرضہ چکانے کے لیے زیادہ نوٹ چھاپ لو۔ ان سے بینکوں کا اصلی ریزرو بڑھ جائے گا، یعنی وہ حکما اپناریزرو بڑھائیں تاکہ قرضہ دے سکیں۔ اس طرح افراطی زر بھی نہ ہو گا۔
 - ۳) فیڈرل ریزرو ایکٹ 1913ء اور نیشنل بینکنگ ایکٹ 1864ء منسون کر دو، تاکہ اختیارات حکومت کو لوٹ آئیں۔
 - ۴) امریکہ آئی ایف اور ولڈ بینک سے الگ ہو جائے۔ وہ عام بینکوں کی طرح کام کریں۔
- عالمی حکومت کی بجائے قومی حکومتیں قائم رکھیں تاکہ عام ضروریات پوری کر سکیں

کو بھی گھیر گھار کر اس میں لے آئے۔ (مرکزی یا بین الاقوامی بینکاروں سے مراد وہ اصل طاقت نہیں جس کے ہاتھ میں عالمی معیشت کی باگ ڈور ہے بلکہ ان سے مراد وہ کارندے ہیں جو اس نظام کو چلانے کے لیے تیار کیے گئے ہیں اور اسے بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ اصل طاقت چند خاندانوں پر مشتمل ایک گروہ ہے جس کے آپس میں انتہائی قربتی روابط ہیں اور جو ہمیشہ پس پردہ رہ کر خفیہ طور پر کام کرتا ہے۔)

بینک آف انگلینڈ، دی فیڈ (Fيدرل ریزو بینک)، دی بینک آف جاپان، دی سوئیشل بینک اور جرمن بند لیس بینک (Bundes Bank) اور دیگر مرکزی بینکوں کے سربراہ اپنی قومی حکومتوں سے بالا بالا سال میں دس مرتبہ باہمی رابطہ کے لیے ملاقات کرتے ہیں اور صنعتی ممالک میں جاری معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر عالمی معیشت کے بارے میں آئندہ کے لیے حکمت عملی طے کرتے ہیں۔ بہر حال جب عالمی سماں ہو کاروں نے امریکی حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث عالمی حکومت کا منصوبہ کھٹائی میں پڑتا ہوا دیکھا تو انہوں نے ایک اور عالمی جنگ کرانے کی مhani اور اس مقصد کے لیے جرمی اور روس پر کام شروع کر دیا، جس کے نتیجہ میں جنگ عظیم دوم کے خاتمه سے پہلے پہلے عالمی حکومت کے لیے راہ ہموار ہو چکی تھی۔ چنانچہ 1944ء میں برلن و وڈز، نیو ہمپشائر New Hampshire (Bretton Woods) میں امریکہ کی بھرپور شرکت سے انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی۔ ایف) اور ولڈ بینک کے قیام کی منظوری دی گئی، لیگ آف نیشنز کو یونائیٹڈ نیشنز کے نام سے 1945ء میں منظوری حاصل ہو گئی۔ منصوبے کے عین مطابق جنگ نے وہ ساری مخالفت ختم کر دی تھی جو ان بین الاقوامی اداروں کے قیام میں رکاوٹ تھی۔

لندن میں قائم ”دی سٹی“ (The City) کی طرح دی فنڈ (I.M.F.) کے خلاف عدالتی کارروائی نہیں ہو سکتی..... اس کا مال اور اٹاٹھ جہاں کہیں رکھا ہے، جلاشی، طلبی، ضبطی، بے دخلی یا کسی بھی طریقے سے حکومتی یا قانونی عمل کے ذریعے قبضہ میں لیے جانے سے محفوظ ہے..... اس کے افسرا اور اہل کارہر طرح کی قانونی چارہ جوئی سے مستثنی

- ہے یا فوجی حملہ ہو سکتا ہے۔ (صومالیہ، عراق اور بوسنیا میں یہ ہوا)
- ۴) قرضوں کو ناجائز قرار دے کر معاف کرائے۔
- ۵) نوٹ چھاپ کر قرضہ چکائے، مگر اس سے افراطی زر پیدا ہوگا۔

ولڈ سینٹرل بینک

انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) کا صدر دفتر واشنگٹن ڈی سی میں واقع ہے اور سڑک کے پار ولڈ بینک کا صدر دفتر ہے۔ یہ دونوں ادارے کیا ہیں اور کس کے تحت کام کرتے ہیں؟

یہ جانتے سے پہلے تھوڑی دری کے لیے پہلی جنگ عظیم کے بعد کے حالات کی طرف آئیے۔ لوگ جنگ سے عاجز آ چکے تھے۔ دنیا کو پُر امن بنانے کے بہانے بین الاقوامی بینکاروں نے اپنی طاقت مزید مستحکم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ منی چینجز نے اس دعوے کے ساتھ کہ صرف بین الاقوامی حکومت ہی عالمی جنگوں کا خاتمہ کر سکتی ہے، عالمی حکومت کے قیام کا ڈول ڈالا۔ اسے انہوں نے تین ناگلوں پر کھڑا کیا۔ ایک عالمی مرکزی بینک جس کا نام BIS، یعنی بین فار انٹرنیشنل سیٹلمنٹس (Bank for International Settlements) تجویز کیا۔ دوسری ایک عالمی جوڈیشی، جو عالمی عدالت کے نام سے ہیگ نیدر لینڈ میں قائم کی جانی تھی اور تیسرا ”لیگ آف نیشنز“ کے نام سے ایک عالمی متفقہ اور انتظامیہ۔ لیکن بین الاقوامی بینکاروں اور پر لیں کے شدید دباو کے باوجود مٹھی بھرا امریکی سینیٹروں والے امریکہ کو ان سکیموں سے دور رکھا۔ اگرچہ لیگ آف نیشنز کا منصوبہ 1930ء میں منظور کر لیا گیا تھا، مگر امریکہ کی عدم شمولیت کے باعث وہ اپنی موت آپ مر گئی۔ امریکہ نے اگرچہ 1930ء ہی میں قائم ہونے والے عالمی مرکزی بینک (BIS) کی تجویز بھی رکھ دی تھی، لیکن نیو یارک فیدرل ریزو بینک امریکی حکومت کو نظر انداز کرتے ہوئے 1994ء تک سوئزر لینڈ میں مرکزی بینکریز کے اجلاسوں میں اپنے نمائندے بھیجا رہا اور بالآخر امریکہ کی حکومت

ادا کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ مگر اس بات کو تین صدیاں بیت چکی ہیں، اس دوران قوموں کی معاشی زندگی میں یہ نظام مضبوطی سے اپنی جڑیں گاڑ چکا ہے، اب اسے کسی پیرومنی سہارے کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر دوسرا جنگ عظیم کے بعد بینک آف انگلینڈ اور بینک آف فرانس دونوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا تھا، مگر ان کی حیثیت جوں کی توں برقرار رہی۔ چنانچہ آج کسی فرد یا خاندان کو اس کے لیے موردا لزام ٹھہرانا بے معنی ہے۔ اصل ضرورت اس ظالمانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑنے کی ہے جو دولت کے چند ہاتھوں میں مرکوز ہونے کا موجب ہے اور اس نقطہ نگاہ کو بدلنے کی ضرورت ہے جو خالص مادہ پرستی پر منی ہے۔ اس کے لیے دولت کی مساوی تقسیم کا سو شمسی نظر یہ قابل عمل نہیں۔ جیسا کہ کبھی ایک ماہر تاریخ دن ان نے کہا تھا کہ صحیح دنیا کی ساری دولت ہر ایک کو برابر برابر بانٹ دیں، شام تک لکنے پھر خالی ہاتھ ہو جائیں گے اور دولت واپس محنت کرنے والوں کے پاس پہنچ جائے گی۔ تاہم کسی بھی معاشرے کو صحیح منداہ طور پر قائم رکھنے کے لیے کچھ قواعد و ضوابط درکار ہوتے ہیں، ان قواعد و ضوابط کا عدل پر منی اور متوازن ہونا ضروری ہے۔ منی چینحرز نے دولت کے بل پر سارا تو ازان اپنے حق میں کر لیا ہے جس سے جہوریت اور آزاد پرلس کی باتیں بے معنی ہو چکی ہیں۔ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے تدریجیاً واپس عدل و انصاف اور نیکی کی طرف آنا ہوگا۔ اس کے لیے پھلی سطح سے کام کا آغاز ہونا چاہیے۔ گویا ایک متوازن اور صحیح مند معاشرہ قائم کرنے کے لیے افراد کو بدلا ہوگا۔ مثلاً ایک شخص اگر یہ پوچھتے کہ میں اس بارے میں کیا کردار ادا کر سکتا ہوں تو جواب ہو گا کہ اپنے آپ کو بدلتیں، نیکی، کفایت شعاراتی، عدل، استقامت اور میانہ روی جیسے اوصاف اپنائیں۔

اصولًا بین الاقوامی بینکوں اور یو۔ این جیسے بین الاقوامی اداروں کا تصور غلط نہیں ہے بلکہ ان کے قیام سے انسانی بھلائی کے کاموں میں مدد لی جا سکتی ہے، بشرطیکہ یہ ادارے دنیا کی کمزور قوموں پر اپنی حاکمیت مسلط کر کے انہیں اپنا غلام نہ بنائیں۔ دنیا کی مختلف قوموں پر مشتمل ایک عالمی برادری کا قیام بلاشبہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مگر جس طرح کسی معاشرے میں خاندان کی ایک اہمیت ہوتی ہے اسی طرح عالمی

ہیں.... اس پر کسی قسم کا نیکس نہیں لگایا جا سکتا۔ [ورلڈ بینک اور بی۔ آئی۔ ایس (BIS) پر بھی ایسے معاہدوں کا اطلاق ہوتا ہے] گویا اس سے قبل جو اختیارات امریکہ میں مرکز سے مسلک پر ایجیویٹ بینکوں کو حاصل تھے وہی عالمی سطح پر اب آئی۔ ایم۔ ایف، ورلڈ بینک اور بی۔ آئی۔ ایس کو حاصل ہیں۔ یہ بینک قرضوں کی پالیسی وضع کرنے میں دوسرے تمام ممالک کے قومی بینکوں کو ہدایات دیتے ہیں۔ منی چینحرز کا یہ وظیرہ ہے کہ بدبیانت حکومت کو قرض دے کر عوام سے بمع بھاری سود وصول کرتے ہیں، اس کے لیے مزید قرض دیتے ہیں یہاں تک کہ پوری قوم ان کے شکنچے میں جکڑی جاتی ہے۔ اب وہ دن دور نہیں جب کسی قوم کو زندہ رکھنے یا مارنے کا فیصلہ چندا فراد اڑ جن کے پاس ساری دنیا کی دولت ہے، کریں گے۔ اس کا آغاز افریقی ممالک سے ہو چکا ہے۔ چنانچہ جب یہ ممالک پوچھتے ہیں کہ کیا ہم قرض اتنا رنے کے لیے اپنے بچوں کو مار دیں تو جواب ملتا ہے: ہاں! ترقی اور خوشحالی لانے کے بہانے قرضے لینے کا یہ نتیجہ ہے کہ مقرض ممالک کے رہے سہے اٹاٹے بھی منی چینحرز کے بینکوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ ان کا اگلا ہدف چین ہے جو ابھی پوری طرح ان کے شکنچے میں نہیں آیا۔ یہ بہت خطرناک کھیل ہے جو عالمی سرمایہ دار چین کو امریکہ کے مقابلے میں کھڑا کرنے کے لیے کھیل رہے ہیں۔

برازیل کے ایک ممتاز سیاست دان کا کہنا ہے: ”تیسرا عالمی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ خاموش جنگ ہے لیکن انتہائی تباہ کن۔ برازیل، لاٹین امریکہ اور تیسرا دنیا کے لیے موت کا پیغام لیے جنگ سپاہیوں کے بجائے بچوں کو مار رہی ہے۔ اس کا ہتھیار سودی نظام ہے، ایم بم اور لیز ربم سے بھی خوفناک“۔

حرف آخر

سینٹرل بینک اور جزوی ریزرو بینک کی تاریخ پر جب بھی نگاہ ڈالیں گے تو آپ کو اس میں راتھ شیڈ، واربرگ، شف اور راک فلیر جیسے خاندان بنیادی کردار

۴) اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ عالمی معاشری نظام سے باخبر رکھیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ایک پھنسنے سے نکلیں اور دوسرے میں پھنس جائیں۔ جب بھی معاشری بحران پیدا ہوگا مینکرز کے نمائندے ”تبادل“ تجاویز لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

۵) گولڈ اسٹینڈرڈ کی طرف واپسی کوئی اچھا حل نہیں ہوگا، کیونکہ سارا سونا انہی کے پاس ہے جن کے بینک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ سونا آئی ایم ایف کے پاس ہے۔ اسی طرح کسی علاقائی یا عالمی کرنی کے منصوبہ سے بھی خبردار رہیے۔ بین الاقوامی مینکرز اس سے عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

۶) بین الاقوامی مینکرز کے منصوبوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اکثر سیاست دان ان منصوبوں کو سمجھتے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جو انہیں سمجھتے ہیں وہ بھی ان کے نتائج سے پوری طرح باخبر نہیں ہوتے، اس لیے معمولی مفادات کے لیے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

مالیاتی اصلاح - ایک تعارف

موجودہ دُور میں جبکہ مالیاتی اصلاح کا دُور دُور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا، اس کے تعارف سے کیا حاصل ہوگا؟ اکنامکس میں نوبل لا ریٹ، ملٹن فریڈ کا کہنا ہے کہ: ”انقلابی تبدیلیوں کی بات کرتے رہنا فائدہ سے خالی نہیں۔ اس لیے نہیں کہ اسے فوراً قبول کر لیا جائے گا، بلکہ ایک تو اس لیے کہ اس طرح ایک مثالی ہدف اُبھر کر سامنے آئے گا اور دوسرے اس لیے کہ اگر کبھی ایسی تبدیلی کے لیے حالات سازگار ہوئے تو اس کے لیے ذہن پہلے سے تیار ہوں گے۔“

قرضوں کا جو جال بچایا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری دولت محدودے چند ہاتھوں میں آجائے گی اور لوگ بھوکے مریں گے، اور جب بھوکے

برادری میں شامل مختلف قوموں کو اپنی تہذیب اور تمدن کی رو سے اپنے لوگوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی خدمت انجام دینے کی آزادی اور سہولت میسر رکھی چاہیے۔ اس کے بر عکس بین الاقوامی بینکوں، یو این او، عالمی عدالت اور ڈبلیو۔ ای۔ اور جیسے اداروں کا موجودہ ڈھانچہ واضح طور پر پوری دنیا کو چند افراد کے ہاتھوں یہ غمال بنانے کی خاطر استوار کیا گیا ہے۔ لہذا بہتر تو یہ ہے کہ ان اداروں کو سرے سے ختم کر دیا جائے، یا پھر ان میں بنیادی اصلاح کی جائے۔ جب تک ہم اپنے بینکنگ سسٹم کی اصلاح نہیں کرتے مٹھی بھر بینکار ہم پر مسلط رہیں گے۔ چنانچہ اس کا واحد حل یہ ہے کہ فیڈ اور جزوی ریزرو بینکنگ کو ختم کریں اور بی۔ آئی۔ ایس، آئی ایم ایف اور گولڈ بینک سے الگ ہو جائیں۔ البتہ یہ ذہن میں رہے کہ جو نبی کوئی ملک بین الاقوامی سا ہو کاروں کے چیلگ سے نکلنے کی کوشش کرے گا ایک دفعہ اس کا سارا معاشری ڈھانچہ زمین بوس ہو جائے گا، وہاں سے سارا سرمایہ باہر چلا جائے گا، مگر یہ صورت حال چند ماہ سے زیادہ جاری نہیں رہے گی۔ اس کے بر عکس اگر بیٹھے انتظار کرتے رہے تو ایک وقت آئے گا کہ آپ ہمیشہ کے لیے اپنی ملکی دولت سے ہاتھ دھولیں گے۔

ذاتی حکمت عملی

اس نظام کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کیسے بچایا جائے؟

۱) سب سے پہلے قرض لینے سے بچیں اور اگر لے چکے ہیں تو جلد از جلد اس سے چھٹکارا حاصل کریں، ورنہ آپ کا کچھ بھی نہیں بچے گا۔ بہت سے لوگ مکان اور کاروگیرہ کے لیے قرض لیتے ہیں، حالانکہ ان کے بغیر بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر آپ کے پاس نقد نہیں ہے تو کوئی شے نقچ کرنا پنا قرض چکائیں۔

۲) آپ کی جو رقم بینک میں جمع ہے افراد ازرسے اس میں مسلسل کمی واقع ہوتی رہے گی۔ اس کی بجائے برے وقت میں قیمتی وہا تیں مثلاً سونا اور چاندی اکثر کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔

۳) اپنے اخراجات کم کریں اور قناعت اختیار کریں۔

پاؤں، کے مصدق چند ترقی یافتہ ممالک کو ساتھ ملا کر دیگر تمام ممالک کو نظرول کرنا آسان ہو گیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دولت ان ترقی یافتہ ممالک کے پاس رہتی ہے، بلکہ اصل دولت گھوم پھر کرو اپس بینکوں کے پاس لوٹ آتی ہے۔ اس طرح کمزور مقرر ضم ممالک کی ساری بھاگ دوڑ دو وقت کی روٹی حاصل کرنے تک محدود رہتی ہے تو ترقی یافتہ ممالک کی جان بھی ہر وقت بینکوں کے اندر انکلی ہوتی ہے۔ ان حالات میں ایسے ممالک کے پاس ان پانچ میں سے کوئی ایک راستہ اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا کہ:

۱) اس کے تمام شہری اپنے آپ کو بیرونی بینکوں کی غلامی میں دے دین، لیکن یہ سلسلہ صرف اسی وقت تک برقرار رہے گا جب تک ان بینکوں کو کچھ نہ کچھ حاصل ہوتا رہے گا۔

۲) پچھلے قرضے اتنا نے کے لیے مزید قرضے لیتے رہیں، لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ سلسلہ بھی رک جائے گا۔

۳) قرضے واپس کرنے سے انکار کر دیں۔ تجارتی پابندیاں لگ جائیں تو مال کے بد لے مال کے ذریعے تجارت سے کام چلا لیں، لیکن یہ سودخور ہر طرف سے آپ کا ناطقہ بند کر دیں گے اور ہیٹھی، صومالیہ، عراق اور سابق یوگوسلاویہ جیسا حشر کریں گے۔ گویا اس کے لیے پہلے دفاعی لحاظ سے ناقابل تغیر ہونا ضروری ہے۔

۴) قانونی چارہ جوئی ایک مناسب ذریعہ ہے، مگر ایسی عدالتیں اب تک دنیا میں وجود میں نہیں آئیں جہاں طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کی شناوی ہو سکے۔

۵) یہیں الاقوامی قرضے اتنا نے کے لیے اتنی مقدار میں ملکی کرنی میں روپیہ اکٹھا کر لیں جس سے یہ قرضے اتارے جاسکیں۔ موجودہ عالمی مالیاتی نظام کے تحت رہتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔ افراطی زر تماں حد میں پھلا گل کر ملکی معیشت کو بتاہ کر کے رکھ دے گا، البتہ اس مقصد کے لیے کوئی بنیادی اصلاحات کر لے تو کامیابی کا امکان ہو سکتا ہے۔ ان اصلاحات کے لیے لازم ہے کہ تمام روپیہ (ایگل ٹینڈر) صرف

مرنے لگیں گے تو ایسے الحیں گے کہ ہر شے کو خس و خاشک کی طرح بھالے جائیں گے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ نوع انسانی کے خلاف ہونے والی اس سازش کا پردہ چاک کیا جائے، تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ اس کے تدارک کے لیے کچھ کرنے پر آمادہ ہوں، پیشتر اس کے وقت گزر جائے اور کسی کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ دولت کے یہ پچاری اپنے اس انعام سے بے خبر نہیں ہیں، لیکن انہوں نے اس کے لیے ایک نادر سخن تجویز کیا ہے۔ مثلاً نیشنل سیکورٹی کو نسل سلطنتی میہور نظم ۲۰۰ جس کی وجہ سے بر ازیل، اندیا، کولمبیا، میکسیکو، ایتحو پیا اور مصر جیسے ممالک کو ہدف بنا کر آبادی کم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایسے حالات پیدا کیے جاتے ہیں کہ ان ممالک کے مزدور اور خام مال کی کوئی قیمت ہی نہ رہے۔ اس کے بعد مختلف طریقوں سے وہاں کی قیمتی املاک ہتھیالی جاتی ہیں، تا کہ عوام کے لیے بھوک اور افلاس کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے اور خود ہی ایک دوسرے کو ختم کرنے لگیں۔ چنانچہ ”بہبود آبادی“ جیسے ناموں سے جو پروگرام ہو رہے ہیں ان کا مقصد اخلاق باختہ کر کے لوگوں کو حیوان بنانا ہے۔ نئے قرضوں کا اجراء پرانے قرضوں کی ری شیڈولنگ، قیمتوں میں رعایت اور قرضوں کی جزوی معافی جیسے آلات اصل مقاصد کو در پردہ رکھنے کے لیے ہیں۔ موجودہ مالیاتی نظام اپنی جڑیں اتنی گہری کر چکا ہے کہ آپ کے تمام قرضے یک قلم ختم کر دیے جائیں تب بھی آپ عالمی سا ہو کاروں کے چنگل سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے۔ بینک مصنوعی روپیہ بناتے ہیں اور اسے ادھار پر دیتے ہیں۔ تمام ممالک مقرر ضم کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر ملک کی یہ خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ درآمد کے مقابلہ میں زیادہ برآمد کرے اور قرض اتنا نے کے لیے زیادہ زر مبادله حاصل کرئے لیکن آئی ایم ایف اور ولڈ بینک جیسے عالمی مالیاتی اداروں نے قرضوں پر مبنی جو عالمی مالیاتی نظام ترتیب دیا ہے اس کا خاصہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ امیر ممالک، جو خود بھی مقرر ضم ہیں، کا پلڑا ہر حال میں بھاری رہتا ہے۔ اس طرح ”ہاتھی“ کے پاؤں میں سب کا

ایکچھیں میں ہی رہا۔ اندر وونِ ملک کی ضروریات نوٹ چھاپ کر پوری کی گئیں جس سے افراد اڑاکنے کی ہوئی۔ مہنگائی سے تاجر و کاروں کا منافع بڑھ گیا اور وہ روپے میں کھلی رہے ہیں۔ ملاز میں جو حکومت کا ایک باعزت طبقہ ہوا کرتا تھا ان کی تفخیم ہیں مہنگائی کی نسبت سے نہیں بڑھائی گئیں۔ چونکہ حکومت ان کے ہاتھ میں ہے اس لیے ان کی گزر اوقات بد عنوانی پر ہے اور تمام نظام حکومت بگڑ گیا ہے اور ہر طرف ظلم کا دوارہ ورہ ہے۔ قرضہ عیاشیوں یعنی کاروں میں سیر سپاٹے، بے ضرورت دوروں، بیرونی علاج، دوسرے ملکوں کے بینکوں میں پیسے رکھ کر اور ان ملکوں میں بلڈنگیں بنانے کیا خرید کر ضائع کر دیا گیا۔ اپنے ملک پر اگر حکرانوں کو اعتماد نہیں تھا تو پھر عام آدمی سے کیا توقع ہو سکتی ہے؟ چنانچہ من جیسا القوم ہم کریبشن کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔

موجودہ حالات میں اس کا حل یہ ہے کہ حکومت لوگوں کا یروں ملک رکھا ہوا قرضہ و اپس لائے اور آئی ایم ایف وغیرہ سے کہے کہ ہمارے پاس ڈالنہیں ہیں، ہم روپیہ و اپس لائے اور آئی ایم ایف وغیرہ سے کہے کہ ہمارے پاس ڈالنہیں ہیں، ہم قرضہ و پوپوں میں واپس کریں گے اور آئندہ قرضہ نہیں لیں گے۔ اندر وونِ ملک سودا اور جا گیرداری ختم کر کے معیشت میں سادگی اور دیانتداری کو فروغ دیا جائے۔ اور سب سے اہم اور بنیادی بات یہ کہ یہاں اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی قائم کیا جائے جس کے لیے پاکستان بناتا۔

ریاست جاری کرے اور جو روپیہ جاری کیا جائے اس کی مقدار اتنی ہو جس سے اشیاء کی قیمتیں ایک سطح پر برقرار رہیں، یعنی اشیاء اور روپیہ کی مقدار میں توازن قائم ہو اور سودی لین دین کی ممانعت ہو، نیز حکومت کسی قسم کا ادھار لینے دینے کا کام نہ کرے۔

علمی سطح پر قرضوں کی جو جنگ برپا ہے اس کے اصل اسباب کا تعلق معیشت سے نہیں بلکہ فلسفہ مذہب اور اخلاقیات سے ہے۔ کسی ایسے معاشرے سے معاشی انصاف کی توقع کرنا حماقت ہے جو اس کے پیٹ میں بچوں کو قتل کرنا اس لیے جائز قرار دے کہ بچوں پر خرچ نہ کرنا پڑے۔ حکومت یا قانون لوگوں کو اچھا ماحول تو دے سکتے ہیں لیکن ان کے ذہن تبدیل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کسی معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو آپ کو وہاں کے افراد سے اس کا آغاز کرنا ہوگا۔ ابھی آپ کو جو بھی تھوڑی بہت آزادی حاصل ہے اسے غنیمت سمجھیں اور مزید وقت ضائع کیے بغیر اس کام کو شروع کر لیں، ورنہ سمجھ لیں کہ آپ کو زیادہ مہلت نہیں ملے گی۔ بھرانوں کے اندر رہتے ہوئے اچھا معاشرہ وجود میں نہیں لایا جا سکتا، البتہ بھرانوں سے اپنے معاشرے کے قیام کے لیے بنیاد ضرور ڈالی جاسکتی ہے، کیونکہ یہی وقت ہوتا ہے جب بھٹی گرم ہوتی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو آپ کو حقائق سے آگاہ کر سکیں، اب یہ آپ پر مخصر ہے کہ آپ جاگ جاتے ہیں یا خواب بخروش کے مزے لیتے رہتے ہیں۔

اور اب پاکستان

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر یہ سب امر یکہ پر صادق آتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کا حال کیا ہوگا؟ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان کے حالات سب سے زیادہ خراب ہیں۔ امر یکہ تو باذم سشم ختم کر کے روپے پر سو ختم کر سکتا ہے۔ اس کا قرضہ ڈالروں میں ہے، وہ ڈال چھاپ کر اسے چکا سکتا ہے۔ وہ طاقتور ملک ہے اسے میکروں کے جارحانہ حملے کا ذریحی نہیں۔ مگر پاکستان نے قرضہ ڈالروں میں لیا ہے اس لیے وہ روپے چھاپ کر قرضہ نہیں چکا سکتا۔ اس کا قرضہ جو ڈالروں میں تھا وہ فارن

